معارفِ رضا
مدیر اعلیٰ
سید وجاہت رسول قادری
مدیر
پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (رجسٹرڈ) (کراچی - پاکستان)
25- جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، پوسٹ بکس نمبر-7324، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان
فون : 2725150-21-92+ فیکس : 2732369-21-92+
ای میل imamahmadraza@gmail.com ویب سائٹ : www.imamahmadraza.net
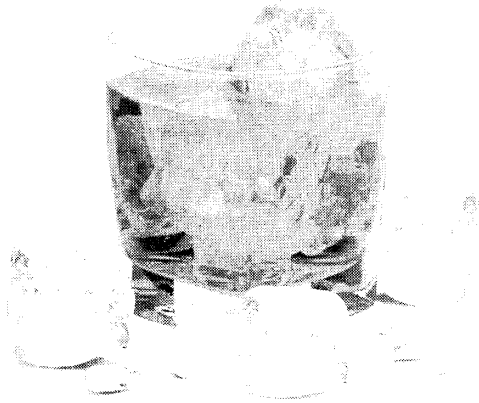
ISBN No. 978-969-9266-04-1

مسلسل اشاعت کا انتیسواں سال

ماہنامہ

معارفِ رضا کراچی

جلد: 29 شمارہ: 12

ذی الحج ۱۴۳۰ھ / دسمبر ۲۰۰۹ء

ہدیہ فی شمارہ: 30 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/300 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے
بیرونِ ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔
زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

نوٹ

رقم دستی یا منی آرڈر/ بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارفِ رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار/ مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ادارہ

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

فہرس

مقالہ نگار حضرات اپنی نگارشات ہر انگریزی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک ہمیں بھیج دیا کریں، مقالہ تحقیقی مع حوالہ جات ہو، ۵ صفحات سے زیادہ نہ ہو، کسی دوسرے جریدے یا ماہنامے میں شائع شدہ نہ ہو۔ اس کی اشاعت کا فیصلہ ادارے کی مجلسِ تحقیق و تصنیف کرے گی۔ (ادارتی بورڈ)

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا

از: اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین وملت امام الشاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیّدِ عالم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

خم ہوگئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

اس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا
جو حیدرِ کرار کہ مولےٰ ہے ہمارا

اے مدّعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفوں شہِ بطحا ہے ہمارا

ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا

تمھاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو

منقبت به حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمة اللّٰه تعالیٰ علیه

کلام: خلیفۂ اعلیٰ حضرت مبلغِ اعظم حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری رضوی میرٹھی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تمھاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیمِ جامِ عرفاں، اے شہِ احمد رضا! تم ہو

غریقِ بحرِ الفت، مستِ جامِ بادۂ وحدت
محبِّ خاص، منظورِ حبیبِ کبریا تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا، مدار اہلِ طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو

یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہلِ قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو

مزیّن جس سے ہے تاجِ فضیلت تاج والوں کی
وہ لعلِ پُر ضیا تم ہو وہ دُرِّ بے بہا تم ہو

عرب میں جا کے اِن آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو

ہیں سیّارہ صفت گردش کناں اہلِ طریقت یاں
وہ قطبِ وقت، اے سرخیلِ جمعِ اولیا! تم ہو

عیاں ہے شانِ صدّیقی تمھاری شانِ تقویٰ سے
کہوں اتقیٰ نہ کیوں کر جب کہ خیر الاتقیا تم ہو

جلال و ہیبتِ فاروقِ اعظم آپ سے ظاہر
عدوّ اللہ پر اک حربۂ تیغِ خدا تم ہو

''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّار'' کے ہو سر بہ سر مظہر
مخالف جس سے تھرّائیں وہی شیرِ وَغا تم ہو

تمھیں نے جمع فرمائے نکات و رمزِ قرآنی
یہ ورثہ پانے والے حضرتِ عثماں کا تم ہو

خلوصِ مرتضیٰ، خُلقِ حسن، عزمِ حسینی میں
عدیم المثل یکتائے زمن، اے باخدا! تم ہو

تمھیں پھیلا رہے ہو علمِ حق اکنافِ عالم میں
امامِ اہلسنّت! نائبِ غوث الوریٰ تم ہو

بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے
بھکاری کی بھرو جھولی گدا کا آسرا تم ہو

''وَفِیۡۤ اَمۡوَالِھِمۡ حَقٌّ'' ہر اک سائل کا حق ٹھہرا
نہیں پھرتا کوئی محروم ایسے باسخا تم ہو

علیمِ خستہ اِک ادنیٰ گدا ہے آستانے کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے، شہا! تم ہو

آج موضوعِ سخن ہے ''عظمتِ عبدالعلیم''

منقبت بہ حضور خلیفۂ اعلیٰ حضرت مبلغ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما

(آپ کے ستاونویں عرسِ مبارک کے موقع پر۔ آپ کا وصال ۲۲ ذی الحجہ (کا دن گزار کر تیئیسویں شب) ۱۳۷۳ھ بہ مطابق ۲۲ راگست ۱۹۵۴ء بروز اتوار (پیر کی شب) مدینۂ منورہ میں ہوا۔)

کلام: ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی ☆

آج موضوعِ سخن ہے ''عظمتِ عبد العلیم''
فضلِ رب سے ہے زباں پر مدحتِ عبدالعلیم

یاد اللہ کی دلائے صورتِ عبدالعلیم
اولیا سے ہو جو پائے سیرتِ عبدالعلیم

اُن پہ تھی احمد رضا کی خاص شفقت اور نظر
شاہد اس پر ہیں علوم و حکمتِ عبدالعلیم

آپ نے اسلام کا پیغام دُنیا کو دیا
یاد رکھے گا زمانہ خدمتِ عبدالعلیم

سوئے دوزخ سے رہِ جنت چلا دیتے ہیں وہ
پھول کانٹوں کو بنائے نکہتِ عبدالعلیم

آج بھی کردار و اخلاقی بلندی کے سبب
راج کرتے ہیں دلوں میں حضرتِ عبدالعلیم

شاہ نورانی سا بیٹا اُن کے گھر کا تھا چراغ
قابلِ رشکِ زمانہ قسمتِ عبدالعلیم

شان اُن کی کیا بیاں کر پائیں گے اہلِ زمیں
آسماں کو چھورہی ہے رفعتِ عبدالعلیم

ماہِ ذی الحج کی تھی جب تیئیسویں شب، سوگوار
کر گئی تھی اہلِ دل کو رحلتِ عبدالعلیم

مل گیا مدفن قریبِ روضۂ اقدس اُنھیں
یعنی مقبولِ خدا ہے دعوتِ[1] عبدالعلیم

روضۂ انور کے صدقے میں رہے تا یومِ حشر
نور سے معمور، یا رب، تربتِ عبدالعلیم!

کاش جنت میں غلامیِ نبی کے ساتھ ساتھ
یا الٰہی، کرسکوں میں خدمتِ عبدالعلیم!

اپنی قسمت پر خدا کا شکر کر، تو نے، ندیمؔ!
شاہ نورانی سے پائی نسبتِ عبدالعلیم

(۱) یہاں ''دعوت'' دُعا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی مدنی علیہ الرحمۃ نے ایک خطاب کے دوران اپنے کہے ہوئے چند اشعار پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ بھی تھا۔

قریبِ روضۂ اقدس اگر مدفن میسر ہو
دلِ مضطر کو آغوشِ لحد آغوشِ مادر ہو

اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش و دعا اس طرح قبول فرمائی کہ جنت البقیع میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں میں آپ کی تدفین ہوئی۔

☆ آفس سیکریٹری/ پروف ریڈر، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

﴿اپنی بات﴾

موجودہ حالات کے تناظر میں امام احمد رضا کے فکری و علمی اثاثے سے استفادہ ناگزیر ہے

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کے قلم سے

قارئینِ کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

از داغِ فراقِ او در دل چمنے دارم
اے لالۂ صحرائی باتو سخنے دارم
(اقبالؔ۔ زبورِ عجم)

آج پاکستانی معاشرے میں جو افراتفری، معاشی بدحالی، سیاسی طوائف الملوکی، بدامنی، شدّت پسندی، دہشت گردی اور ایوانِ حکومت میں اونچی سطح سے لے کر نچلی سطح تک بدعنوانی کا جو عالم ہے، اُس سے ہر محبِّ وطن امن پسند شہری پریشان ہے۔ ہمارے نااہل، بددیانت اور بدکردار حکمرانوں نے ملک کا یہ حال کر دیا ہے کہ اب اسلام دشمن قوتیں امریکہ و یورپ، خاکم بدہن، اس سب سے بڑے اسلامی ممالک کو توڑنے یا اس کے اہم اثاثوں پر قابض ہونے کے لیے پر تول رہی ہیں اور محبِّ وطن افراد دل گرفتہ، افسردہ اور حالات سے مایوسی کا شکار نظر آتے ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود ہمارے روشن ماضی کے جھروکوں سے امید کی ایسی تابندہ کرنیں جھلملاتی نظر آتی ہیں کہ جن پر نظر پڑتے ہی مستقبل کے خطرات کے بادل چھٹتے نظر آنے لگتے ہیں۔

آج سے قبل بھی ہر دور میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی یلغار اور مسلمانوں کی صفوں میں موجود منافقین اور خوارجِ زمانہ کی درونِ خانہ سازشوں سے عالمِ اسلام کو واسطہ پڑتا رہا ہے۔ لیکن ہر دورِ ابتلا میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسے مصلحینِ اُمّت پیدا فرمائے ہیں جنہوں نے شریعت وطریقت کے اصولوں کو برتتے ہوئے تعلیم و تعلّم اور تذکیر و وعظ کے ذریعے اصلاحِ معاشرہ کی سعی فرمائی اور مسلمانوں کے سیاسی غلبہ اور اسلام کی عظمتِ رفتہ کو بحال کیا۔

اب جب کہ خاتم النبیین سیّدنا و مولانا محمد رّسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ تو اب ایسی صورت میں اصلاحِ اُمّت کا فریضہ نبیِ کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ کی اُمّت کے علما و مشائخ ہی انجام دیں گے۔

ایک مستشرق پروفیسر اے۔ ایچ۔ کب (۱۹۶۲ء) اپنی ایک کتاب اسلامک کلچر میں اسلامی تعلیمات کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدّت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ

مغلوب نہ ہو سکا۔ اِس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیا کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت و توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔"

(ص: ۲۶۵، بہ حوالہ: اسلامی معاشرے کی تشکیل میں امام احمد رضا بریلوی کا کردار، سلیم اللہ جندران، معارفِ رضا خصوصی شمارہ برائے امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۰، ص:۴۰)

اسلامی عمرانیات کے ماہرین نے اسلامی معاشرے کی کم و بیش دس امتیازی خصوصیات شمار کی ہیں:

۱۔ وحدتِ انسانی
۲۔ وحدتِ فکرِ انسانی
۳۔ اتحادِ عملی
۴۔ احترامِ انسانیت
۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر
۶۔ عدل و مساوات کی الہامی اصولوں پر بنیاد
۷۔ خدا پرستی
۸۔ محبت و اطاعتِ رسول ﷺ
۹۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی
۱۰۔ شرفِ انسانیت کی بقا

تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ جب بھی اسلامی معاشرے کے مذکورہ بالا عناصر کا توازن بگڑا یا انحطاط اور کمزوری پیدا ہوئی، اسلامی معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا اور یہ بگاڑ جس قدر طویل ہوتا گیا، اسی اعتبار سے معاشرہ سنگین بحران سے دوچار ہوا۔ اس کی اپنی کمزوریوں کی بنا پر اسلام دشمن قوتوں کو فکری اور ثقافتی یلغار کا موقع ملا۔ سانحۂ کربلا، واقعۂ حرّہ، سقوطِ بغداد، سقوطِ غرناطہ (اسپین)، سلطنتِ عثمانیہ کی شکست و ریخت، برصغیر جنوبی ایشیا سے اسلامی سلطنت کا خاتمہ، حجازِ مقدس پر قرن الشیطان کے پجاریوں کا قبضہ اور قبلۂ اوّل بیت المقدس پر یہودیوں کا غلبہ، ماضی قریب میں سقوطِ ڈھاکا کا شرم ناک واقعہ اور مسلمانانِ عالم کو بہت سے دیگر صدمات اسلامی معاشرے کے اسی انحطاط یا بگاڑ کا نتیجہ تھے۔

؎ جہاں را پیش ازایں صد بار آتش زیرِ پا کردم

دنیا بھر کے معاشروں کی طرح پاکستان کے اسلامی معاشرے کے افراد بھی چاہتے ہیں کہ ان کا معاشرہ سدا زندہ و سلامت رہے، پھلتا پھولتا رہے، معاشرہ خوش حالی اور سیاسی استحکام کا دور دورہ رہے، مسجدیں، مدرسے، خانقاہیں اور دوسرے دینی، مذہبی، تعلیمی ادارے آباد رہیں، ان کے افکار و نظریات، عقائد و روایات ترقی پذیر رہیں، علوم و فنون میں وسعت اور ارتقا پذیری پیدا ہو، تمدنی ورثے کو استحکام حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہو۔ لیکن یہ جب ہی ممکن ہے کہ جب ہم اپنی آنے والی نسلوں کو اپنے خیالات و افکار، جذبات و احساسات اور تہذیبی و تمدنی ورثے سے آگاہ کرتے رہیں اور اس کا بقول جسٹس ایس۔ اے رحمٰن، ایک ہی طریقہ ہے، (صحیح خدوخال پر) تعلیم و تربیت کا اجرا و ارتقا۔

(نظریۂ پاکستان اور نصابی کتاب، ص:۱۸۵، بہ حوالہ مذکورہ بالا)

اہلِ علم و بصیرت اور علمائے حق اس بات سے یقیناً اچھی طرح واقف ہیں کہ اس وقت ہما ملک جس سنگین سیاسی، معاشی و معاشرتی بحران کی لپیٹ میں ہے، اس اسلامی معاشرے کے جملہ مذکورہ عناصر نہ صرف انحطاط کا

شکار ہیں بل کہ ان میں بعض بالکل غیر فعال اور بعض مفقود ہو چکے ہیں۔ حکمرانِ وقت (سلطان) کے احکام کی عمل درآمد (WRIT) ملک کے ایک وسیع حصے سے تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ اس لیے اس وقت سب سے بڑا بحران ملک کی قیادت کا ہے جسے کتبِ فقہ میں "عدمِ سلطان کی حالت" قرار دیا گیا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں قرآنِ حکیم ہمیں اصلاحِ احوال کے لیے جس اَمر کے لیے حکم دیتا ہے، ہمارے حکمرانوں اور ذی علم و ذی شعور افراد کا اُس کی بجاآوری کی طرف رجوع لازم ہو جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ (النساء۴: ۵۹)

(اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا اور ان کا جو تم میں صاحبِ امر ہیں۔)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں کہ یہاں "اولی الامر" سے مراد علما ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور کاش وہ (ایسے بحرانی اور نزاعی حالات میں) اسے لوٹائیں۔ رسول کی طرف اور اپنے ذی اختیار لوگوں (اولی الامر) کی طرف تو ضرور ان سے ان کی حقیقت جان لیں گے وہ جس کی استنباط کرتے ہیں ان میں سے۔ (عربی سے ترجمہ۔ فتاویٰ رضویہ جدید، ج:۱۴، ص:۱۶۸) پھر اعلیٰ حضرت "اولی الامر" کی تعریف سے متعلق اپنے موقف کی مزید وضاحت اور اُس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عدمِ سلطان کی حالت میں مسلمانوں پر اپنے امورِ دینیہ میں متدین معتمد علمائے اہلِ سنّت کی طرف رجوع کرنا اور بھی لازم تر ہو جاتا ہے کہ بعض بعض خاص دینی کام جنھیں ولاۃ و قضاۃ اُٹھائے ہوئے ہیں، ان میں تاحدِّ ممکن انھیں کے حکم سے تعمیل کرنی ہوتی ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ جدید، ج:۱۴، ص:۱۶۹)

چناں چہ خلفائے راشدین کے دورِ ہمایونی کے بعد قرآنی اصطلاح "اولی الامر" کے معیار پر پوری اُترنے والی جامع اور نابغۂ عصر شخصیات کی ایک اچھی خاصی تعداد ہر دور اور ہر خطۂ ارض میں موجود رہی ہے، جنھوں نے اپنے اپنے دور کے حالات کے حوالے سے اپنے اپنے خطوں میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ، تجدیدِ احیائے دین، اصلاحِ معاشرہ اور علمِ نافع اور نفع بخش فنون کے فروغ میں اقبال کے "صاحبِ امروز" مردِ مومن کا کردار ادا کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے اُن سب کے اسم ہائے گرامی یہاں ضبطِ تحریر میں نہیں لائے جاسکتے۔ اس لیے مثالاً چند ذواتِ مقدسہ کے نام نامی تحریر کیے جارہے ہیں۔ حضرت سیّدنا امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، خلیفۂ راشد پنجم حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، حضرت امامِ اعظم امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام حنبل، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت امام غزالی، حضرت امام رازی، حضرت امام سیوطی، حضرت بہاء الحق نقشبند قدست اسرار ھم اور برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں حضرت مجدِّدِ الف ثانی، محققِ علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی، حضرت اورنگ زیب عالم گیر، حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز

دہلوی، حضرت فضلِ حق خیر آبادی، حضرت فضلِ رسول بدایونی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اور ماضیٔ قریب میں اعلیٰ حضرت، مجددِ دین و ملت امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی قدس سرہ السامی۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ چودھویں صدی ہجری میں سلف صالحین کے سچے جانشین اور اکابر مصلحینِ امت رحمہم اللہ تعالیٰ کے علمی ورثے اور ان کے دینی، مذہبی، مسلکی، تعلیمی، سیاسی، اقتصادی افکار و نظریات کے امین تھے۔ اس کا اعتراف ان کے ہم عصر اور آج کے دور کے بعض اُن علما نے بھی کیا ہے جو متعدد مسائل میں ان سے نظریاتی اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ آپ کے ایک ہم عصر نام وَر عالم، مورخ و مصنّف، شیخِ طریقت جناب خواجہ حسن نظامی صاحب، فاضلِ دیوبند فرماتے ہیں:

"ان (مولانا احمد رضا) کی تصنیفات و تالیفات کی خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحّرِ علمی کا جیّد سے جیّد مخالف کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو کہتے ہیں، وہی کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم کو پیروی کرنی چاہیے۔"

(ملاحظہ ہو: ہفت روزہ "خطیب" دہلی، ۲۲/مارچ ۱۹۱۵ء، ج:۱، شمارہ:۱۱، ص:۱۷۳)

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی اس حسنِ عقیدت کے باوجود جب انہوں نے طبقۂ صوفیا میں سجدۂ تعظیمی کے جواز پر ایک رسالہ لکھا، تو امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ نے فوراً اُس کے ردّ میں ایک فاضلانہ و محققانہ رسالہ بہ عنوان "اَلزُّبْدَةُ الزَّكِيَّه لِتَحْرِيْمِ سُجُوْدِ التَّحِيَّه" تحریر فرمایا جس میں آپ نے غیر اللہ کے لیے سجدۂ عبادت کو کفر و شرک اور سجدۂ تعظیمی کو حرامِ قطعی قرار دیا۔ ایسا کرتے وقت حضرت امام احمد رضا نے جناب خواجہ صاحب کی اپنے بارے میں حسنِ عقیدت کی کوئی رعایت نہیں برتی، غالبًا خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے تبصرے میں امام احمد رضا کی جو امتیازی خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ وہ "جو کہتے ہیں، وہی کرتے ہیں" اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

حکیم عبد الحیٔ لکھنوی (والدِ علامہ ابو الحسن علی میاں ندوی) کا امام احمد رضا سے مسلکی اختلاف ڈھکا چھپا نہیں، لیکن جب انہوں نے امام صاحب کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا تو انہوں نے محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کو اِن الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا:

يندر نظيره في الاطلاع على الفقه الحنفي وجزياته

(فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے، اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے۔)

(نزہت الخواطر، ج:۸، ص: ۴۱)

دیکھا جائے تو یہ امام صاحب کی فقاہت اور علمیت کو ایک بڑا خراجِ تحسین ہے کیوں کہ ایسی عالم فاضل شخصیت جس کی فقہ کی جزئیات پر دست رَس کا یہ عالَم ہو کہ عرب و عجم میں اس کی نظیر نہ ملتی ہو، یقینًا امام العصر، فرید الدہر، نابغۂ روز گار، مجدّدِ ملّت، مجتہد فی المسائل کہلانے کی مستحق ہے۔ کیوں کہ ایسی شخصیت کو نہ صرف قرآن و حدیث سے مستنبط مسائل مستحضر ہوتے ہیں، تمام علومِ اسلامی پر

اس کو دستگاہ حاصہ ہوتی ہے، بل کہ تمام عصری علوم، سیاستِ مدن، لوگوں کے رسم ورواج، مزاج، زبان واطوار وعادات، معاشی اور معاشرتی مسائل سے اُس کو بہ خوبی آگاہی ہوتی ہے۔ اس لیے عوام وخواص، سب اپنے دینی اور دنیوی معاملات میں رہ نمائی اور مسائل کے حل کے لیے اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بلاشبہ علامہ اقبالؔ کی زبان میں امام احمد رضا ایک ایسی ہی "صاحبِ امروز" شخصیت تھے اور اس کا اعتراف خود علامہ اقبالؔ نے اِن الفاظ میں فرمایا کہ "مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کرلیتے تھے، اُس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے، یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے تھے۔۔۔ وہ اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ثانی تھے۔"

امام احمد رضا دورِ حاضر میں ماضی قریب کی عالمِ اسلام کی ایک ایسی عظیم شخصیت تھی کہ جن کی عبقریت کا اعتراف عرب و عجم کے بڑے بڑے علما، اسکالرز اور متعدد علومِ جدیدہ و قدیمہ کے ماہرین نے کیا ہے، اُن کی ایک طویل فہرست ہے، جس کا پیش کرنا یہاں مقصود نہیں ہے۔ لیکن اِس کا اندازہ فتاوٰی رضویہ، جدید ایڈیشن، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور میں شائع شدہ مستفتی حضرات کی اِس لمبی فہرست سے لگایا جاسکتا ہے جس میں سینکڑوں کی تعداد میں عرب و عجم کے جیّد علما و مشائخ کے علاوہ، امرا و اعیانِ سلطنت، جدید جامعات کے نام وَر اساتذۂ فن، ادبا، شعرا، سیاست داں اور زعمائے ملت کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ یہ ایک بات ہی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی عبقریت، عالمِ اسلام میں اُن کی شخصیت کے مرجع خلائق ہونے اور اُن کی فکر اور تعلیمات کی ہمہ گیریت و آفاقیت پر دال ہے۔

ہم سردست دورِ حاضر کی چند اہم نام وَر اور اپنے اپنے فن میں ماہر شخصیات کے تاثرات کے بعض تراشے قارئینِ کرام کی نذر کرکے اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں کہ پاکستان اور عالمِ اسلام کے موجودہ حالات کے تناظر میں امام احمد رضا کی فکری و علمی اثاثے اور تعلیمات سے استفادہ ناگزیر ہے۔

آیئے دیکھیں کہ دورِ حاضر کے ایک نام وَر عالم، ادیب، شاعر، مورخ، مصنف، سیاست دان، ایوانِ اقتدار کے باسی اور ہر دور میں کسی نہ کسی اہم شعبے کے وزیرِ باتدبیر کی نشست سنبھالنے والی معروف شخصیت جناب علامہ کوثر نیازی صاحب امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے علمی، فکری اور تعلیمی نظریات کو کن الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کررہے ہیں:

"امام صاحب کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا جاتا ہوں، عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا حضور نبیِ کریم ﷺ کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا ہے کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں جس پر امام کو مکمل دست رَس حاصل نہ ہو اور اس پر آپ نے کوئی تصنیف نہ لکھی ہو۔ یقیناً آپ سرکارِ دوعالم ﷺ کے علوم کے صحیح جانشین تھے جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔"

چند سطور کے بعد علامہ کوثر نیازی صاحب "فتاوٰی رضویہ" کی اہمیت وافادیت پر تبصرہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"فقہ حنفی میں ہندوستان میں دو کتب مستند ترین ہیں۔ ان میں سے ایک "فتاوٰی عالمگیریہ" ہے جو دراصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے جنھوں نے فقہ حنفیہ کا

ایک جامع فتاوٰی ترتیب دیا اور دوسرا "فتاوٰی رضویہ" ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علما نے مل کر انجام دیا، وہ اِس مردِ مجاہد نے تنِ تنہا کر دکھایا اور یہ مجموعہ فتاوٰی عالمگیریہ سے زیادہ جامع ہے اور مَیں نے جو آپ کو "امام ابو حنیفہ ثانی" کہا وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں کہا بل کہ فتاوٰی رضویہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابو حنیفہ ہیں۔ آپ کے فتاوٰی میں مختلف علوم و فنون پر جو بحثیں کی گئی ہیں، اُن کو پڑھ کر بڑے بڑے علما کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کاش کہ اعلیٰ حضرت کی حیات اس دور کو میسر آجاتی تاکہ آج کل کے پیچیدہ مسائل حل ہو سکتے، کیوں کہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی ہے، اس کے آگے مزید گنجائش نہیں ہوتی۔"

(کوثر نیازی، مولانا، مقالہ "امام العلما امام ابو حنیفہ ثانی"، مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۴ء، ص:۴۹، ۵۰)

قارئینِ کرام! جناب کوثر نیازی کے مذکورہ بالا اقتباس کے جملے فی زمانہ امام احمد رضا کی فکر و تعلیمات کی اہمیت و انفرادیت کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ اس لیے کہ ان کا امام احمد رضا علیہ الرحمۃ یا اُن کے خلفا و تلامذہ سے کبھی بھی بیعت یا تلمذ کا کوئی رشتہ نہیں رہا، البتہ وہ ایک غیر جانب دار، علم نواز محقق اور منصف مزاج عالم تھے۔ انہوں نے امام صاحب کو پڑھ کر جانا اور سمجھا تھا۔ علامہ کوثر نیازی صاحب کا انداز اگرچہ دعائیہ ہے لیکن اہلِ علم اور صائب الرائے حضرات جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی کتب، بالخصوص فتاوٰی رضویہ کا مطالعہ کیا ہے کہ جن کے پڑھ لینے اور پھر سمجھ لینے کو جناب کوثر نیازی صاحب ایک عالم کے صحیح معنیٰ میں عالم ہونے کی کسوٹی قرار دیتے ہیں، وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ان کے علم اور فکر کے سوتے اسلام کے پاکیزہ ماضی سے نکلتے ہیں، حال کو سیراب کرتے ہیں اور مستقبل کی نسلوں کے لیے شفاف آبِ جاری کی طرح رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ جس طرح اُن کی روح کا مرکزِ عقیدت معلّمِ کائنات سیّدِ عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے، اسی طرح اُن کی فکر و نظریات اور تعلیم و تعلّم کا منبع و سرچشمہ معلّمِ کائنات ﷺ پر نازل شدہ کتابِ حکمت قرآنِ حکیم اور جوامع الکلم منبع العلم و الحکم ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے نکلے ہوئے کلماتِ ربّانی ہیں۔ امام احمد رضا کی تصانیف اس بات پر شاہد و عادل ہیں کہ انہوں نے زندگی بھر اپنی تعلیمات و تصنیفات کی ترتیب و تدوین اور نشر و اشاعت میں انہی بنیادی اُصولوں کو پیشِ نظر رکھا۔ چناں چہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کے تعلیمی افکار و نظریات پر تخصص اور انفرادیت کے حامل عصر حاضر کے ایک فاضل اسکالر جناب سلیم اللہ جندران صاحب اپنے ایک مقالے میں تحریر کرتے ہیں:

"عبقریِ عصر امام احمد رضا محدثِ بریلوی الرحمۃ کی زندگی کی ہر اَدا سنّتِ مصطفیٰ ﷺ سے عبارت ہے اور سنّتِ رسول ﷺ پر عمل ہی ہر مسلمان کی زندگی کو فلاح و نجات دے سکتا ہے۔ لہٰذا امام احمد رضا خاں بریلوی کی حیات و تعلیمات کا مطالعہ اپنے قارئین اور پیروکاران کو شریعتِ مصطفیٰ ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دے گا۔۔۔ آپ کی حیات و خدمات کا مطالعہ فکر و عمل کی درستگی اور کامیابی کے لیے مدد و معاون ہو گا۔ آپ کے افکارِ عالیہ

میں عالمِ اسلام کی بھلائی کے لیے بہت کچھ ہے۔ ہمارا ملّی فریضہ ہے کہ آپ کے افکار اور آپ کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔ مثلاً: آپ کے معاشی و اقتصادی افکار پر عمل پیرا ہو کر اُمّتِ مسلمہ غربت و افلاس (اور گداگری کے پھیلاؤ) کے جال سے نکل سکتی ہے۔ آپ کے اصلاحی نظریات پر عمل کرنے سے مسلم معاشرہ کی تشکیلِ نو ممکن ہے۔ آپ کے تعلیمی نظریات پر عمل پیرا ہو کر ناخواندگی، بے مقصدیت، طبقاتی نظامِ تعلیم، سائنسی و فنّی پس ماندگی جیسے اُمّتِ مسلمہ کو درپیش مسائل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ آپ کے ملّی و سیاسی افکار پر عمل کرتے ہوئے بجائے غیر ملکی طاقتوں کے محکوم بننے کے، دنیا کی قیادت کی اہلیت حاصل کرسکتا ہے۔ آپ کے نظریاتِ تحقیق کو عام کرنے سے تشدّد اور جبر (دہشت گردی) کا کلچر کم کرنے میں مدد ملے گی۔ آپ کے معیاراتِ تحقیق کسی طور پر بھی عالمی درجہ کے مسلّمہ معیارِ تحقیق سے کم نہیں۔ جس قدر آپ کی تصانیف کا مطالعہ زیادہ ہوگا، اسی قدر عوام کو آپ کے اندازِ تحقیق سے آگاہی ہوگی۔ جس قدر عوام میں علم و تحقیق عام ہوگی، اُسی قدر عوام کی سوچ منطقی اور رواداری کا آئینہ دار ہوگی۔''

(ملاحظہ ہو: ''مطالعۂ رضویات کی اہمیت و افادیت'' مشمولہ: ''رضویات۔نئے تحقیقی تناظر میں''، ص:۶۲، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، ۲۰۰۸ء)

بین الاقوامی شہرت کے حامل ممتاز ماہر طب، دورِ جدید کے عظیم دانش وَر، محقق و مصنف اور اسلامی نظریۂ تعلیم کے علم بردار جناب حکیم محمد سعید دہلوی صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ امام احمد رضا سے اُن کا کچھ زیادہ تعارف نہیں تھا لیکن ہم نے انہیں فتاوٰی رضویہ کا سیٹ اور فنون کے حوالے سے اُن کے چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ (مخطوط) رسائل مطالعے کے لیے پیش کیے تو وہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی تبحر، وسعتِ علمی اور جدید و قدیم سائنسی علوم پر اُن کی دست رَس دیکھ کر حیران رہ گئے اور ہم سے ایک ملاقات میں کہا: ''ہمیں اب تک حضرت مولانا احمد رضا خاں کے متعلق جو کچھ بتایا گیا تھا، وہ غلط نکلا۔'' انہوں نے اِس مطالعے کے بعد ''مولانا احمد رضا خاں کی طبّی بصیرت'' کے عنوان سے ایک مقالہ سپردِ قلم کیا جو انہوں نے امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۸۸ء میں پڑھا اور سال نامہ ''معارفِ رضا'' ۱۹۸۸ء (ص:۹۹۔۱۰۴) میں شائع ہوا۔ اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''مولانا کی شخصیت بہت جامع تھی۔ وہ اپنے تفقہ اور علم و اطلاع کی وسعت کے اعتبار سے علمائے متاخرین میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے اکثر علمی اور دینی موضوعات پر اہم اور قابلِ قدر کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن جو تحریریں اُن کی شخصیت کی مکمل ترجمانی اور آئینہ داری کرتی ہیں، وہ اُن کے فتاوٰی ہیں جو متعدد مسبوط اور ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکے ہیں۔۔۔۔

میرے نزدیک اُن کے فتاویٰ کی اہمیت اس لیے نہیں ہے کہ وہ کثیر در کثیر فقہی جزئیات کے مجموعے ہیں بل کہ اُن کا خاص امتیاز یہ ہے کہ اُن میں تحقیق و اسلوب کا وہ معیار نظر آتا ہے جس کی جھلکیاں ہمیں صرف قدیم فقہا

میں نظر آتی ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ قرآنی نصوص اور سننِ نبویہ کی تشریح و تعبیر اور ان سے احکام کے استنباط کے لیے قدیم فقہا جملہ علوم و وسائل سے کام لیتے تھے اور یہ خصوصیت مولانا کے فتاوٰی میں موجود ہے۔۔۔۔۔۔

فاضلِ بریلوی کے فتاوٰی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔"

آگے چل کر حکیم صاحب، امام احمد رضا کی علمی و فقہی بصیرت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ایک بار پھر آپ کی تحقیق و تصنیف کے مطالعے کو دورِ حاضر کے فقہا و علما کے لیے لازم قرار دیتے ہوئے اس بات پر تنبیہ کرتے ہیں کہ اگر آج اُن کی تحقیق سے فائدہ نہ اُٹھایا گیا تو بیشتر جدید مسائل کا حل دورِ حاضر کے فقہا نہیں دے سکیں گے۔

مقالہ کے آخر میں حکیم محمد سعید صاحب دورِ حاضر کے علما و فقہا کو متنبہ کرتے ہوئے تعلیم و تعلم کے معاملے میں "منہجِ رضا" اختیار کرنے کی تلقین درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"آج فقہا طبی اور سائنسی علوم سے بے گانگی کی وجہ سے بیشتر تمدنی مسائل میں عصری علوم کے حوالے سے احکامِ شریعت کی تشریح و تعبیر کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت سے محروم ہیں اور یہ ایک زبردست المیہ ہے۔ غالباً اسلاف کی زندگیاں اُن کے سامنے نہیں ہیں۔"

حکیم سعید صاحب نے سچ فرمایا کہ اس وقت ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہم نے ہر شعبۂ زندگی میں اسلافِ کرام کے منہج کو چھوڑ دیا ہے۔ عالمِ اسلام بالعموم اور مسلمانانِ برصغیر جنوبی ایشیا بالخصوص گذشتہ سو برسوں میں متعدد بحرانوں سے گزرے ہیں اور ابھی بھی گزر رہے ہیں لیکن تشخیص اور علاج دونوں غلط ہوتے رہے ہیں اور حال یہ ہوا کہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔

آج پاکستان کو درپیش سب سے بڑا چیلنج نہ تو آئینی ہے نہ سیاسی، نہ معاشی نہ معاشرتی، نہ اقتصادی نہ سماجی، اصل بحران آئیڈیالوجی کی حفاظت کا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر قومی تشخص اور خود یقینی کا فقدان ہے۔ مسلمان کسی خطے کا ہو، اُس کی آئیڈیالوجی اسلام ہے، محبت و اتباعِ رسول ﷺ اس آئیڈیالوجی کی رُوح ہے۔ آج الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا پر نام نہاد دانش وَر اور اعیانِ مملکت کے بعض افراد مسلمانانِ پاکستان کو یہ باور کرانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ پاکستان کا وجود ایک لادین (سیکولر) ریاست کے طور پر رُوبہ عمل آیا اور یہ کہ بانیِ پاکستان قائدِ اعظم خود سیکولر اور سوشلسٹ ذہن کے انسان تھے۔ پاکستانی اقلیتوں کی تالیفِ قلب اور پاکستانی قومیت کے جذبے کی ترغیب کے لیے اُن کی بعض تقاریر کے اقتباسات سیاق و سباق سے قطع برد کے ساتھ سنائے اور تحریر کیے جا رہے ہیں تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ قائدِ اعظم نے اس خطے کے مسلمانوں کی معاشی خوش حالی کے لیے یہ ملک حاصل کیا تھا، اسلامی آئیڈیالوجی کے نفاذ کے لیے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی بصیرت سے محروم حکمران طبقہ اور نام نہاد "سیاسی اشرافیہ" ملک کے آئین کی اسلامی دفعات میں تبدیلیاں اور حذف و اضافہ لانے کی کوشش

کر رہے ہیں جس سے مملکتِ خداداد پاکستان کا نہ صرف اسلامی تشخص ختم ہو رہا ہے بل کہ ساتھ ہی فسق و فجور، احکامِ شریعت کی مَن مانی تشریحات، بارگاہِ الٰہی و رسالتِ پناہی میں گستاخی کی کھلی چھوٹ سے اسلامی معاشرے کو تباہ کیا جارہا ہے۔ اُمتِ مسلمہ اور بالخصوص پاکستان کو درپیش ایسے گھمبیر مسائل کے حل کے لیے ہمیں امام احمد رضا کے افکار و تعلیمات سے استفادے کی اشد ضرورت ہے۔ تعلیماتِ رضا کا ہر حرف اور امام احمد رضا کے منثور و منظوم کلام کی ہر سطر عشقِ رسول ﷺ کے سرمدی جذبے کے فروغ کے لیے موثر ترین وسیلے کی حیثیت رکھتی ہے۔ جذبۂ عشق و فدائیتِ رسول ﷺ میں ڈوب کر کہی گئی۔ ایک نعت کا یہ شعر قاری یا سامع کو اپنے "مقصدِ تخلیق" کی یاددہانی کے ساتھ معلّمِ کائنات ﷺ کے نقشِ کفِ پا کو چراغِ راہ بنانے کی ترغیب کس قدر خوب صورت پیرائے میں دے رہا ہے

دہن میں زباں تمہارے لیے، بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے، اُٹھے بھی وہاں تمہارے لیے

یہ بات غیر مسلم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عشقِ رسول ﷺ ہمیشہ سے مسلمانوں کی ایک حرکی قوت رہی ہے جو تمام اُمّتِ مسلمہ کو ایک سیسہ پلائی دیوار بنادیتی ہے۔ اس لیے اسی کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنا یا حتّی الامکان حد تک اسے کمزور کرنا اسلام دشمن قوتوں کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عصرِ حاضر میں عالمِ اسلام کے ہیرو ہیں۔ وہ اس سلسلۂ ذہب کی مضبوط سنہری کڑی ہیں جس کا سِرا معلّمِ کائنات ﷺ کی درس گاہِ قدس تک سلسلہ بہ سلسلہ ائمۂ کرامانِ اُمت، تبع تابعین، تابعین اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہوتا ہوا پہنچتا ہے۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہ السامی کی شخصیت اور فکر و تعلیمات کی یہی خوبیاں تھیں کہ بقول ملک العلما علامہ مولانا ظفر الدین قادری بہاری رحمہ اللہ، علمائے عصر و فضلائے دہر، خواہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، آپ کی تحقیقات و تدقیقات کے سامنے سر تسلیم خم ہی کرتے تھے۔ ہندوستان تو ہندوستان، علمائے مکّہ و مدینہ (زادھما اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً) و روم و شام، مصر و یمن، سب ہی کو آپ کے علم و فضل کا مداح پایا۔"

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۰۵)

آج مسلمانانِ عالَم کی جملہ پریشانیوں اور ذلت و رسوائی کا علاج صرف معلّمِ کائنات سیّدِ عالم ﷺ سے قلبی تعلق اور اُن کے اسوۂ حسنہ کو حرزِ جاں بنانے میں ہی مضمر ہے۔ اور جذبۂ فدائیت کے ساتھ سنّتِ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کا ڈھنگ ہمیں امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی سیرت و کردار اور تعلیمات کی روشنی میں میسر ہے۔ لہٰذا فکر و تعلیماتِ رضا کو پھیلانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ مسلمان اصلی منابعِ اسلام، قرآن و حدیث کی طرف رجوع کریں جس سے نظریاتی اتحاد کے ساتھ اُن کے درمیان اتحادِ کامل کی راہ ہموار ہو۔ تورانی و ایرانی کے امتیازات ختم ہو کر صرف ایک قومِ رسولِ ہاشمی (ﷺ) کا وجود باقی رہ جائے۔

آج اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس

سرہٗ کی ہمہ جہت شخصیت اور اُن کے متنوع علمی و ملّی کارناموں اور افکار و نظریات کے تعارف کی یوں بھی اشد ضرورت ہے کہ آپ دورِ حاضر میں اسلاف کرام کے افکار و نظریات کے امین اور ان کے علوم کے صحیح وارث ہیں۔ لہٰذا آپ کے افکار اور تعلیمات کے مطالعے سے نئی نسل اور آنے والی نسلوں کو اس حقیقت کا صحیح معنوں میں ابلاغ ہو جائے گا کہ ہماری رَہ نمائی لینن، مارکس، برناڈشا یا ابراہم لنکن کے افکار و نظریات میں نہیں بل کہ محسنِ انسانیت، معلّمِ کائنات سیّدنا و مولانا رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ وحیِ الٰہی اور آپ ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ میں ہے کہ جس میں ہر زمان و مکان کے لیے رَہ نمائی کا وافر سامان موجود ہے۔

روز نامہ "جنگ" کراچی، مورخہ ۴؍ اکتوبر ۲۰۰۹ء میں ڈاکٹر فرخ سلیم صاحب کا ایک کالم شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے: "مسلمان اتنے کمزور کیوں ہیں؟" یہ مضمون ہمارے لیے چشم کُشا اور حاصلِ بحث ہے۔ اس کی افادیت کی خاطر ہم پورا مضمون "معارفِ رضا" کے زیرِ نظر شمارہ میں علاحدہ سے شائع کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر فرخ سلیم صاحب نے اگرچہ اپنے زیرِ نظر مضمون میں امام احمد رضا کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی اصلاح و فلاح و نجات کے لیے امام احمد رضا نے جو چار نکاتی پروگرام اور علمِ نافع کے فروغ کے لیے جو دس نکاتی ایجنڈا پیش کیا ہے، اس کی مکمل بازگشت اُن کے مضمون میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ انھوں نے مذکورہ مضمون میں غیر مسلموں کے مقابل مسلمانوں کی آبادی، اُن کے پاس موجود افرادی اور قدرتی وسائل کا جائزہ پیش کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

"۱۔ مسلمان دنیا میں کمزور کیوں ہیں؟ کیوں کہ مسلم دنیا علم و آگہی پھیلانے میں ناکام ہو رہی ہے۔

۲۔ ہم علم کی ترویج و اشاعت نہیں کر پا رہے۔

۳۔ مسلمان معاشی، تعلیمی، سائنسی ہر اعتبار سے کیوں بے وقعت ہیں؟ اس لیے کہ ہم علم کو بروئے کار نہیں لا رہے ہیں۔

اور مستقبل تو اُن ہی معاشروں کا ہو گا جن کی بنیاد علم و آگہی پر رکھی گئی ہو گی۔"

اگر غور فرمائیں تو امام احمد رضا کی فکر و تعلیمات کا یہی نچوڑ ہے۔

سیّدِ عالم ﷺ کی شریعت سے انحراف اور آپ کے ارشادات کی حکم عدولی کے ہمارے وطیرے کے سبب بارگاہِ رسالت سے آقا و مولا کی ناراضگی کے اشارے برابر موصول ہو رہے ہیں۔ خدانخواستہ کہ ہم وہ قوم قرار پائیں جو اپنی حکم عدولی اور بارگاہِ رسالت میں گستاخی کے سبب راندۂ درگاہ ٹھہریں اور حافظ شیرازی کے اس شعر کا مصداق بنیں۔

گفتا بروں شدی بتماشائے ماہ نو
از ماہ ابروان منت شرم نیست، رو

(مفہوم: اے عشقِ حقیقی کے دعوے دار! تُو محبوبِ حقیقی کے حُسنِ تمام سے منہ موڑ کر کسی مجازی ماہِ نو کی تلاش میں کیوں نکل پڑا اور مارا مارا پھر رہا ہے۔ ایسا کرتے تجھے بالکل شرم نہ آئی؟ یہ وقت کی بربادی کے ساتھ بڑی محرومی بھی ہے۔ کیا محبوبِ حقیقی کی ابروؤں کے چاند سے بڑھ کر بھی کسی ماہِ نو کا حسن ہو سکتا ہے؟ سُن لے! اس گستاخی کی پاداش میں اب تُو بارگاہِ محبوبِ حقیقی کا راندۂ درگاہ ہو چکا۔)

☆☆☆

تفسیر رضوی

سورة البقرة

معارف قرآن
من افاضات امام احمد رضا

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

گذشتہ سے پیوستہ

(۲۱۷) یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه ط قل قتال فيه كبير ط وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام ق واخراج اهله منه اكبر عند الله ج والفتنة اكبر من القتل ط ولا يزالون يقاتلونكم حتّٰى يردوكم عن دينكم ان استطاعوا ط ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فاولٰئك حبطت اعمالهم في الدنيا والآخرة ج واولئك اصحب النار ج هم فيها خٰلدون. ☆

تم سے پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنے کا حکم تم فرماؤ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک یہ گناہ اس سے بھی بڑے ہیں اور ان کا فساد قتل سے سخت تر ہے اور ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر بن پڑے اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت گیا دنیا میں اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا۔

﴿۳۸﴾ امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

مسلمانوں کے ساتھ عیاری و چالاکی اور انہیں دھوکا دینا فریب میں ڈالنا، ایسے افعال کرکے جن کے سبب لوگوں کی نماز ان کے پیچھے خراب ہو ان کی تسکین کے لئے بظاہر توبہ کرنا اور انہیں باتوں کا مرتکب رہنا فتنہ ہے۔ (اور آیت والفتنة اكبر من القتل ط میں اس کی مذمت ہے۔ مرتب) کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتل ناحق سے زیادہ سخت اور عذابِ جہنم کا موجب۔ (فتاویٰ رضویہ جدید ۶/۴۴۶)

(۲۲۰) في الدنيا والآخرة ط ويسئلونك عن اليتٰمٰى ط قل اصلاح لهم خير ط ان تخالطوهم فاخوانكم ط والله يعلم المفسد من المصلح ط ولو شاء الله لاعنتكم ط ان الله عزيز حكيم. ☆

اور آخرت کے کام سوچ کر کرو اور تم سے یتیموں کا مسئلہ پوچھتے ہیں تم فرماؤ ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر اپنا ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے، اور اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

﴿۳۹﴾ امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اس آیت (ان تخالطوهم فاخوانكم ط) میں احد التفسیرین پر یتیم کے ساتھ جواز مخالطت مال ہے اور ظاہر کہ بحال مخالطت کامل امتیاز قریب محال ہے۔

تفسیر احمدی میں ہے۔

"وفي الزاهدي قال ابن عباس رضي الله تعالٰى عنهما المخالطة ان تاكل من ثمرته ولبنه وقصعته وهو ياكل من ثمرتك ولبنك وقصعتك والآية تدل علٰى جواز المخالطة في السفر والحضر يجعلون النفقة علٰى السواء ثم لا يكره ان ياكل احدهما اكثر لانه لما جاز في اموال الصغار فجوازه في اموال الكبار اولى هذالفظه فانه نافع حجة على الاكثر من المتعصبين في زماننا اھ"

اور زاہدی میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ مخالطت یہ ہے کہ تم اس کے پھل اس کا دودھ اور اس کے پیالے میں کھاؤ اور وہ بھی اسی طرح تمہارے ساتھ پھل کھائے اور تمہارا دودھ پیے اور تمہارے پیالے میں کھائے۔ اور یہ آیت مخالطت کے جواز پر دلالت کرتی ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں ہو جب کہ نفقے کو برابر کا رکھیں۔ پھر اس میں کوئی کراہت نہیں کہ ان میں سے کوئی زائد کھالے

کیوں کہ یہ چیز بچوں کے مال میں جائز ہے تو بڑوں کے اموال میں بطورِ اولیٰ جائز ہے۔ یہ ان کے الفاظ ہیں ان کو بخوبی یاد رکھیں یہ مفید بھی ہیں اور ہمارے عہد کے بہت سے متعصبین پر حجت بھی ہیں۔ اھ

اقول: فان ما فی جامع الصغار وعن فتاویٰ رشید الدین من باب دعوی الاب والوصی لو لم تکن الام محتاجة الی ماله ولکن خلطت مالها بمال الولد واشترت الطعام واکلت مع الصغیر ان اکلت ما زاد علیٰ حصتها لا یجوز لانها اکلت مال الیتیم. اھ. معناه الزیادة المتبینة ففی الجامع الرموز عن الباب المذکور من الفتاویٰ المزبورة قبیل هذا، صبی یحصل المال ویدفع الی امه والام تنفق علی الصبی وتاکل معه قلیلا نحو لقمة او لقمتین من غیر زیادة لا یکره.

میں کہتا ہوں تو جامع الصغار میں فتاویٰ رشید الدین سے (باب دعوی الاب والوصی میں) جو منقول ہے اگر ماں بچے کے مال کی محتاج نہ ہو لیکن اس نے بچے کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھانا خریدا اور بچے کے ساتھ کھایا تو اگر اپنے حصے سے زیادہ کھایا تو جائز نہیں کیوں کہ اس نے یتیم کا مال کھایا۔ اھ

اس سے مراد یہ ہے کہ اتنی زیادتی جو بالکل واضح اور ظاہر ہو اسی فتاویٰ کے مذکور باب سے جامع الرموز میں اس سے کچھ ہی پہلے ہے، ایک بچہ ہے جو مال لاتا ہے اور ماں کو دیتا رہتا ہے اور ماں اس پر خرچ کرتی رہتی ہے اور لقمہ دو لقمہ خود بھی اس کے ساتھ کھاتی رہتی ہے زیادہ نہیں تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عباس سے ہے:

قال کنت العب مع الصبیان فجاء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فتواریت خلف باب فجاء فحطانی حطاة وقال اذهب ادع لی معاویة. (الصحیح لمسلم باب من لعنه النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ۲/۳۲۵)

فرمایا میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں ایک دروازے کے پیچھے چھپ گیا، تو آپ میرے پاس تشریف لائے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنے ہاتھ سے (پیار سے) تھپکی دی اور کہا کہ معاویہ کو بلا لاؤ۔

امام نووی شرح میں فرماتے ہیں:

فیه جواز ارسال صبی غیره ممن یدل علیه فی مثل هذا ولا یقال هذا تصرف فی منفعة الصبی لان هذا قدر یسیر وردالشرع بالمسامحة للحاجة واطرد به العرف وعمل المسلمین. (شرح مسلم للنووی ۲/۳۲۵)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے بچے کو اس جیسے کام کے لیے بھی بھیجا جا سکتا ہے اور اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ بچے کی منفعت میں تصرف کیا کیوں کہ یہ معمولی چیز ہے اور شریعت نے ضرورتاً اس قسم کی چیزوں کی اجازت دی ہے اور عام طور پر مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ نے حدیقۂ ندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ (فتاویٰ رضویہ جدید ۲/۵۱۹ تا ۵۲۱)

(۲۲۱) وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ.

اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بیشک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو، اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بیشک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو، وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں۔

﴿جاری ہے......﴾

گذشتہ سے پیوستہ

۱۔ ضرورتِ علمِ دین

معارف حدیث من افاضات امام احمد رضا

کتاب العلم

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

(۱) ہر مسلمان پر علمِ دین سیکھنا فرض ہے

۲۲۵۔ عن أنس بن مالك رضي الله تعالى قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ. حا شيه مسند اما م اعظم، صفحه: ۱۰۱

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرضِ عین ہے۔۱۲م

(۲) اصل علوم تین ہیں

۲۲۶۔ عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أَلْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ، آيَةٌ مُحْكَمَةٌ اَوْسُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْذُوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ، وَمَا كَانَ سِوىٰ ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ.

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم تین ہیں، قرآن، حدیث، یا وہ چیز جو وجوب عمل میں انکی ہمسر ہے (گویا اجماع وقیاس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں) اوران کے سوا جو کچھ ہے سب فضول۔

[۲۸] امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:
اس حدیث کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد وعورت پر طلبِ علم کی فرضیت، تو یہ صادق نہ آئے گا مگر اس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو اور فرض عین نہیں مگر ان علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو۔ ان کا اعم واشمل واعلیٰ واکمل واہم واجل علمِ اصولِ عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنی المذہب ہوتا ہے اور انکار و مخالفت سے کافر یا بدعتی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ سب سے پہلا فرض آدمی پر اسی کا تعلم ہے اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں پھر علمِ مسائل نماز، یعنی اس کے فرائض وشرائط مفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا کر سکے۔ پھر جب رمضان آئے تو مسائلِ صوم، مالکِ نصابِ نامی ہو تو مسائلِ زکوۃ صاحبِ استطاعت ہو تو مسائلِ حج نکاح کیا چاہے تو اسکے متعلق ضروری مسئلے۔ تاجر ہو تو مسائلِ بیع وشراء، مزارع پر مسائلِ زراعت، موجر و مستاجر پر مسائلِ اجارہ، وعلی ھذا القیاس، ہر شخص پر اس کی حاجتِ موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرضِ عین ہے۔ اور انہیں میں سے ہیں مسائل حلال وحرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے اور مسائلِ قلب یعنی فرائضِ قلبیہ، مثل تواضع واخلاص وتوکل وغیرہا اور ان کے طُرُقِ تحصیل، اور محرماتِ باطنیہ تکبر وریا اور عجب وحسد وغیرہا اور ان کے معالجات کہ ان کا تعلم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے، جس طرح بے نماز فاسق وفاجر ومرتکب کبائر ہے یوں ہی بعینہ ریا سے نماز پڑھنے والا انھیں مصیبتوں میں گرفتار ہے نَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ۔ تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس۔ غرض اس حدیث میں اسی قدر علم کی نسبت ارشاد ہے۔

ہاں آیات واحادیث دیگر کہ فضیلت علما وترغیبِ علم میں وارد، وہاں ان کے سوا اور علومِ کثیرہ بھی مراد ہیں، جن کا تعلم فرض کفایہ یا واجب یا مسنون یا مستحب یا اس کے آگے کوئی درجۂ فضیلت وترغیب،

اور جو ان سے خارج ہو ہرگز آیات واحادیث میں مراد نہیں ہوسکتا، اور ان کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اس کے دین میں نافع ہوں خواہ اصالتاً جیسے فقہ وحدیث وتصوف بے تخلیط وتفسیرِ قرآن بے افراط وتفریط، خواہ وساطتاً مثلاً نحو وصرف ومعانی وبیان فی حد ذاتہا امر دینی نہیں مگر فہمِ قرآن وحدیث کے لیے وسیلہ ہیں۔ اور فقیر غفراللہ تعالیٰ اس کے لیے عمدہ معیار عرض کرتا ہے مرادِ متکلم جیسی خود اس کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے دوسرے کے بیان سے نہیں ہوسکتی۔

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنھوں نے علم اور علما کے فضائلِ عالیہ وجلائلِ غالیہ ارشاد فرمائے انھیں کی حدیث میں وارد ہے کہ علما وارث انبیا کے ہیں، انبیا نے درم دینار ترکے میں نہ چھوڑے علم اپنا ورثہ چھوڑا ہے جس نے علم پایا اس نے بڑا حصہ پایا، بس ہر علم میں اسی قدر دیکھ لینا کافی ہے کہ آیا یہ وہی عظیم دولت نفیس مال ہے جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ترکے میں چھوڑا، جب تو بے شک محمود اور فضائلِ جلیلہ موعودہ کا مصداق اور اس کے جاننے والے کو لقب عالم و مولوی کا استحقاق ورنہ مذموم وبد ہے، جیسے فلسفہ ونجوم یا لغو وفضول جیسے قافیہ وعروض یا کوئی دنیا کا کام، جیسے نقشہ ومساحت، بہرحال ان فضائل کا مورد نہیں، نہ اس کے صاحب کو عالم کہہ سکیں، ائمۂ دین فرماتے ہیں:

جو علم کلام میں مشغول رہا اس کا نام دفترِ علما سے محو ہوجائے، سبحان اللہ جب متاخرین علما کا علمِ کلام جس کے اصل اصول عقائد سنت واسلام ہیں بوجہِ اختلاط فلسفہ وزیادت مزخرفہ مذموم ٹھہرا اور اس کا مشتغل لقب عالم کا مستحق نہ ہوا تو خاص فلسفہ ومنطق فلاسفہ ودیگر خرافات کا کیا ذکر ہے، لہٰذا حکمِ شرعی ہے کہ اگر کوئی شخص علما شہر کے لیے کچھ وصیت کر جائے تو ان فنون کا جاننے والا ہرگز اس میں داخل نہ ہوگا۔

فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ قرآن وحدیث سے صدہا دلائل اس معنیٰ پر قائم کرسکتا ہے کہ مصداقِ فضائل صرف علومِ دینیہ ہیں وبس، ان کے سوا کوئی علم شرع کے نزدیک علم نہ آیات واحادیث میں مراد، اگرچہ عرف ناس میں یا با اعتبارِ لغت علم کہا کریں، ہاں آلات ووسائل کے لیے حکم مقصود کا ہوتا ہے مگر اس وقت تک کہ وہ بہ قدر توسل وبقصد توسل سیکھے جائیں اس طور پر وہ بھی موردِ فضائل ہیں۔ جیسے نماز کے لیے گھر سے جانے والوں کو حدیث میں فرمایا کہ وہ نماز میں ہیں جب تک نماز کا انتظار کریں نہ یہ کہ انھیں مقصود قرار دے لیں اور ان کے توغل میں عمر گزار دیں، نحوی، لغوی ادیب، منطقی کہ انھیں علوم کا ہو رہے اور مقصودِ اصلی سے کام نہ رکھے زنہار عالم نہیں کہ جس حیثیت کے صدقہ میں انھیں نام ومقام علم حاصل ہوتا جب وہی نہیں تو یہ اپنی حد ذات میں نہ ان خوبیوں کے مصداق تھے اور نہ قیامت تک ہوں ہاں اسے یہ کہیں گے کہ ایک صنعت جانتا ہے جیسے آہنگر ونجار، اور فلسفی کے لیے یہ مثال بھی ٹھیک نہیں کہ لوہار بڑھئی کو ان کا فن دین میں ضرر نہیں پہونچاتا اور فلسفہ تو حرام ومضرِ اسلام ہے اس میں منہمک رہنے والا لقب جاہل اجہل بلکہ اس سے زائد کا مستحق ہے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ھیھات ھیھات، اسے علم سے کیا مناسبت، علم وہ ہے جو مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ ہے نہ وہ جو کفار یونان کا پس خوردہ، اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکارِ وجودِ آسمان وتکذیب گردشِ سیارات وغیرہ کفریات وامور مخالفہ شرع تعلیم کیے جائیں وہ بھی مثل نجوم حرام وملوم اور ضرورت سے زائد حساب یا جغرافیہ وغیرہما داخلِ فضولیات ہیں۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کل العلوم سوی القرآن مشغلۃ = الا الحدیث والفقہ فی الدین،

قرآن وحدیث اور فقہ کے علاوہ تمام علوم ایک دنیوی مشغلہ ہیں،

یہ مجمل کلام ہے باقی تفصیل مقام کے لیے دفترِ طویل درکار جسے منظور ہو احیاء العلوم، طریقۂ محمدیہ، حدیقۂ ندیہ، درمختار اور ردالمحتار وغیرہا اسفار علما کی طرف رجوع کرے، وفیما ذکرنا کفایۃ لاھل الدرایہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ فتاوٰی رضویہ ۱۱/۱۷

جاری ہے......

سُبُلُ الْاَصْفِیَآءِ فِیْ حُکْمِ الذَّبْحِ لِلْاَوْلِیَاءِ

(اولیاء اللہ کے لیے ذبح کرنے میں اصفیا کے طریقے)

اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین وملت الشاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مسئلہ در رَدِّ فتوائے بعض معاصرین　　　　**۲۵ ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۲ھ**

از لشکر گوالیار ڈاک دربار بجواب سوال مولوی نور الدین صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرا میاں کا اور عمرو نے ایک گائے چہل تن کی اور مرغ مدار کا پالا، اور پال کر ان کو با تکبیر ذبح کیا یا کرایا۔ اس کا کھانا مسلمانوں کو عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجـــــــــواب

حامدًا لك ومصلّیًا ومسلّمًا علٰی حبیبك واٰله یا وهّاب اللّٰهم هدایة الحق والصواب۔

یا اللہ! تیرے لیے حمد کرنے والا اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والا اور اُن کی آل پر، حق وصواب کی رہ نمائی فرمادے میرے رب! (ت)

اقول وبالله التوفیق (میں کہتا اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ت) حق اس مسئلے میں ہے کہ حلت وحرمتِ ذبیحہ میں حال وقول ونیتِ ذابح کا اعتبار ہے نہ کہ مالک کا، مثلاً مسلمان کا جانور کوئی مجوسی ذبح کرے تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک مسلم تھا، اور مجوسی کا جانور مسلمان ذبح کرے تو حلال اگرچہ مالک مشرک تھا، یا زید کا جانور عمرو ذبح کرے اور قصداً تکبیر نہ کہے حرام ہوگیا، اگرچہ مالک برابر کھڑا سو بار بسم اللہ اللہ اکبر کہتا رہے، اور ذابح تکبیر سے ذبح کرے تو حلال، اگرچہ مالک ایک بار بھی نہ کہے، ذابح کلمہ گو نے غیر خدا کی عبادت وتعظیمِ مخصوص کی نیت سے ذبح کیا تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک کی نیت خاص اللہ عزوجل کے لیے ذبح کی تھی۔

یوں ہی ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لیے ذبح کیا تو حلال، اگرچہ مالک کی نیت کسی کے واسطے تھی۔ تمام صورتوں میں حالِ ذابح کا اعتبار ماننا اور اس شکلِ خاص میں انکار کر جانا محض تحکم باطل ہے جس پر شرعِ مطہر سے اصلاً دلیل نہیں، ولہٰذا فقہائے کرام خاص اس جزیئے کی تصریح فرماتے ہیں کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتش کدے یا مشرک نے اپنے بتوں کے لیے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اُس نے تکبیر کہہ کر ذبح کی، حلال ہے، کھائی جائے، اگرچہ یہ بات مسلم کے حق میں مکروہ

ہے۔ فتاوٰی عالمگیری و فتاوٰی تاتار خانیہ و جامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لاٰلھتھم توکل لانہ سمّی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم۔[1]

مسلمان نے مجوسی کی بکری اُس کے آتش کدے کے لیے یا کسی اور کافر کی اس کے معبودوں کے لیے ذبح کی تو بکری کھائی جائے کیوں کہ اُس نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے، اور یہ عمل مسلمان کو مکروہ ہے۔ (ت)

پھر مسلمان ذابح کی نیت بھی وقتِ ذبح کی معتبر ہے، اس سے قبل و بعد کا اعتبار نہیں۔ ذبح سے ایک آن پہلے تک خاص اللہ عزّوجلّ کے لیے نیت تھی، ذبح کرتے وقت غیر خدا کے لیے اس کی جان دی، ذبیحہ حرام ہو گیا، وہ پہلی نیت کچھ نفع نہ دے گی۔ یوں ہی اگر ذبح سے پہلے غیر خدا کے لیے ارادہ تھا، ذبح کے وقت اس سے تائب ہو کر مولٰی تبارک و تعالٰی کے لیے اراقتِ دم کی تو حلال ہو گیا، یہاں وہ پہلی نیت کچھ نقصان نہ دے گی۔ رد المحتار میں ہے:

اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح۔[2]

معلوم ہونا چاہیے کہ ذبح کی ابتدا میں قصد کا اعتبار ہے۔ (ت)

غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ تمام افعال میں اصل نیتِ مقارنہ ہے، نماز سے پہلے خدا کے لیے نیت تھی، تکبیر کہتے وقت دِکھاوے کے لیے پڑھی، قطعاً مرتکبِ کبیرہ ہوا، اور نماز ناقابلِ قبول، اور اگر دِکھاوے کے لیے اُٹھا تھا، نیت باندھتے وقت تک یہی قصد تھا، جب نیت باندھی قصد خالص رب جل وعلا کے لیے کر لیا تو بلاشبہ وہ نماز پاک وصاف وصالح قبول ہو گئی۔ تو ذبح سے پہلے کی شہرت، پکار کا کچھ اعتبار نہیں، نہ نافع نفع دے نہ مضر ضرر، خصوصاً جب کہ پکارنے والا غیر ذابح ہو کہ اسے تو اس باب میں کچھ دخل ہی نہیں۔

کما قد علمت وھذا کلہ ظاھر جدًّا لا یصلح ان یتناطح فیہ قرناء وجمّاء۔

جیسا کہ معلوم ہے اور یہ تمام ظاہر ہے اس میں بالکل گنجائش نہیں کہ اس میں بحث کی جائے۔ (ت)

پھر اضافت معنی عبادت میں منحصر نہیں کہ خواہی نہ خواہی مدار کے مرغ یا چہل تن کی گائے کے معنی ٹھہرا لیے جائیں کہ وہ مرغ و گاؤ جس سے ان حضرات کی عبادت کی جائے گی، جس کی جان ان کے لیے دی جائے گی، اضافت کو ادنٰی علاقہ کافی ہوتا ہے، ظہر کی نماز، جنازے کی نماز، مسافر کی نماز، امام کی نماز، مقتدی کی نماز، بیمار کی نماز، پیر کا روزہ، اونٹوں کی زکوٰۃ،

1۔ فتاوٰی ہندیہ، کتاب الذبائح، الباب الاول، نورانی کتب خانہ، پشاور، ۵/ ۲۸۶۔

2۔ رد المحتار، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۵/ ۱۹۶۔

کعبے کا حج، جب ان اضافتوں سے نماز وغیرہ میں کفر و شرک و حرمت درکنار نام کو بھی کراہت نہیں آتی، تو حضرت مدار کے مرغ، حضرت احمد کبیر کی گائے، فلاں کی بکری کہنے سے یہ خدا کے حلال کیے ہوئے جانور کیوں جیتے جی مردار اور سُور ہو گئے کہ اب کسی صورت حلال نہیں ہوسکتے، یہ شرعِ مطہر پر سخت جرأت ہے۔ خود حضورِ پُرنور سیّد المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

ان احبَّ الصیامِ الی اللہ تعالٰی صیامُ داوٗد واحبَّ الصلوٰۃِ الی اللہ عزوجل صلوٰۃُ داوٗد۔[3]

رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما الا الترمذی فعندہ فضل الصیام وحدہ۔

بے شک سب روزوں میں پیارے اللہ تعالٰی کو داؤد کے روزے ہیں اور سب نمازوں میں پیاری داؤد کی نماز ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (اس کو ائمۂ صحاحِ ستہ اور امام احمد نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے لیکن امام ترمذی کی روایت میں صرف روزوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ ت)

علما فرماتے ہیں مستحب نمازوں میں صلوٰۃ الوالدین یعنی ماں باپ کی نماز ہے:

فی ردالمحتار عن الشیخ اسمٰعیل عن شرح شرعۃ الاسلام من المندوبات صلوٰۃ التوبۃ و صلوٰۃ الوالدین۔[4]

ردالمحتار میں شیخ اسمٰعیل سے بہ حوالہ شرح شرعۃ الاسلام منقول ہے کہ مستحب نمازوں میں صلوٰۃ التوبہ اور صلوٰۃ الوالدین ہے۔ (ت)

سبحان اللہ! داؤد علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی نماز، داؤد (علیہ السلام) کے روزے، ماں باپ کی نماز کہنا صواب، پڑھنا ثواب، اور جانور کی اضافت وہ سخت آفت کہ قائلین کفار، جانور مردار، کیا ذبح نماز روزے سے بڑھ کر عبادتِ خدا ہے یا اس میں شرک حرام، اُن میں روا ہے۔

خود اضافتِ ذبح کا فرق سنیے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ۔[5] رواہ مسلم والنسائی عن امیر المومنین علی و نحوہ احمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

3۔ صحیح البخاری، کتاب التھجد، باب من نام عند السحر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۱۵۲ و ۴۸۶۔
صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر الخ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۳۶۷۔

4۔ ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الوتر والنوافل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/ ۴۶۲۔

5۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۱۶۰۔

خدا کی لعنت ہے اس پر جو غیر خدا کے لیے ذبح کرے (اس کو مسلم اور نسائی نے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اور اس کی مثل امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ ت)

دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ذبح لضیف ذبیحة کانت فداءه من النار۔[6] رواہ الحاکم فی تاریخه عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنهما۔

جو اپنے مہمان کے لیے جانور ذبح کرے وہ ذبیحہ اس کا فدیہ ہو جائے آتش دوزخ سے۔ (اس کو امام حاکم نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

تو معلوم ہوا کہ ذبیحہ میں غیر خدا کی نیت اور اس کی طرف نسبت مطلقاً کفر کیا حرام بھی نہیں، بل کہ موجبِ ثواب ہے، تو ایک حکمِ عام کفر و حرام کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

ولہذا اعلا فرماتے ہیں: مطلقاً نیتِ غیر کو موجبِ حرمت جاننے والا سخت جاہل اور قرآن و حدیث و عقل کا مخالف ہے، آخر قصاب کی نیت تحصیلِ نفع دینا اور ذبائحِ شادی کا مقصود برات کو کھانا دینا ہے، نیتِ غیر تو یہ بھی ہوئی، کیا یہ سب ذبیحے حرام ہو جائیں گے۔ یوں ہی مہمان کے واسطے ذبح کرنا درست و بجا ہے کہ مہمان کا اکرام عین اکرامِ خدا ہے۔ درِ مختار میں ہے:

لو ذبح للضیف لا یحرم لانه سنة الخلیل و اکرام الضیف اکرام اللہ تعالیٰ۔[7]

جس نے مہمان کی نیت سے ذبح کیا تو حرام نہیں کیوں کہ یہ خلیل علیہ السلام کی سنّت اور مہمان کا اکرام ہے، اور مہمان کا اکرام اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال البزازی و من ظن انه لا یحل لانه ذبح لاکرام ابن اٰدم فیکون اهل به لغیر اللہ تعالیٰ فقد خالف القراٰن والحدیث و العقل فانه لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انه نجس لایذبح فیلزم هذا الجاهل ان لایکل ماذبح القصاب وما ذبح للولائم والاعراس والعقیقة۔[8]

6۔ الجامع الصغیر بہ حوالہ الحاکم فی التاریخ، حدیث ۸۶۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲/ ۵۲۶۔

7۔ درِ مختار، کتاب الذبائح، مطبع مجتبائی، دہلی، ۲/ ۲۳۰۔

8۔ ردالمحتار، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۵/ ۱۹۶۔

بزازی نے کہا اور جس نے گمان کیا کہ وہ اس لیے حلال نہیں کہ اس میں بنی آدم کا اکرام ہے تو یہ غیر اللہ کے نام سے ذبح ہوا تو اس نے قرآن و حدیث اور عقل کے خلاف بات کی، کیوں کہ بلاشبہ قصاب اپنے نفع کے لیے ذبح کرتا ہے۔ اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو وہ ذبح نہ کرے، تو ایسے جاہل کو چاہیے کہ وہ قصاب کے ذبح کردہ کو نہ کھائے اور ولیمہ اور شادی اور عقیقہ کے لیے ذبح کردہ کو بھی نہ کھائے۔ (ت)

دیکھو علمائے کرام صراحۃً ارشاد فرماتے ہیں کہ مطلقاً نیّت و نسبتِ غیر کو موجبِ حرمت جاننا اور مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰه میں داخل ماننا نہ صرف جہالت بل کہ جنون و دیوانگی اور شرع و عقل دونوں سے بے گانگی ہے، جب نفعِ دنیا کی نیّت مخل نہ ہوئی تو فاتحہ اور ایصالِ ثواب میں کیا زہر مل گیا اور اکرامِ مہمان عین اکرامِ خدا ٹھہرا تو اکرامِ اولیا بدرجۂ اولا۔

ہاں اگر کوئی جاہل اجہل یہ نسبت و اضافت بقصدِ عبادتِ غیر ہی کرتا ہے تو اُس کے کفر میں شک نہیں، پھر بھی اگر ذابح اس نیّت سے بَری ہے تو جانور حلال ہو جائے گا کہ نیّتِ غیر اس پر اثر نہیں ڈالتی، كما حققناه اٰنفا (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ ت)

مگر جب کہ حدیثاً و فقہاً دلائلِ قاہرہ سے ثابت کر چکے کہ اضافت معنیٔ عبادت ہی میں منحصر نہیں، تو صرف اِس بنا پر حکم کفر محض جہالت و جرأت و حرامِ قطعی اور مسلمانوں پر ناحق بدگمانی ہے، تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ آدمیوں کا جانور کہنے سے عبادتِ آدمیان کا ارادہ کرتے اور انہیں اپنا معبود و خدا بنانا چاہتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔[9]

اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو، بے شک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔[10]

بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ، بے شک کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہونا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ۔[11] رواه الائمة مالك والشيخان و ابوداؤد و

9۔ القرآن الکریم، ۴۹/ ۱۲۔

10۔ القرآن الکریم، ۱۷/ ۳۶۔

11۔ صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب قول عزوجل من بعد وصیة، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۳۸۴۔

الترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔

گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔ (اس کو امام مالک، شیخین، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم:

اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَھَآ اَمْ لَا۔[12] رواہ مسلم، عن اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ۔

تُو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا۔ (اس کو امام مسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

امام عارف باللہ سیدی احمد زروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انّما ینشأ الظن الخبیث عن القلب الخبیث۔[13] نقلہ سیدی عبد الغنی النابلسی فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ۔

بدگمانی خبیث دل سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ (اس کو سیدی عبد الغنی نابلسی نے شرحِ طریقہ محمدیہ میں نقل کیا ہے۔ ت)

ولہٰذا منیہ و ذخیرہ و شرح وہبانیہ و درِ مختار وغیرہا میں ارشاد فرمایا:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الآدمی بھذا النحر۔[14]

ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہتا ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

ای علی وجہ العبادۃ الانہ المکفر وھذا بعید من حال المسلم۔[15]

یعنی اس تقرب سے تقرب بروجہِ عبادت مراد ہے کہ اس میں کفر ہے اور اس کا خیال مسلمان کے حال سے دور ہے۔

بل کہ علما تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود ذابح خاص وقتِ تکبیر میں یوں کہے: "بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد صلی اللہ علیہ وسلم" تو یہ کہنا مکروہ تو بے شک ہے مگر کفر کیسا! جانور حرام بھی نہ ہو گا، جب کہ اس لفظ سے اس کی نیت حضور سیّدِ

صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظن الخ، قدیمی کتاب خانہ، کراچی، ۲/ ۳۱۶۔

12۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر الخ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۶۸۔

13۔ الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، الخلق الرابع والعشرون، مکتبۂ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ۲/ ۸۔

14۔ در مختار، کتاب الذبائح، مطبع مجتبائی، دہلی، ۲/ ۲۳۰۔

15۔ ردالمحتار، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۵/ ۱۹۷۔

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم محض ہو، نہ معاذ اللہ حضور کو ربّ عزوجل کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔

امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

رجل ضحی و ذبح وقال بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ ان اراد الرجل بذکر اسم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتبجیلہ وتعظیمہ جاز ولا باس وان ارادبہ الشرکۃ مع اللہ تعالیٰ لاتحل الذبیحۃ۔[16]

کسی نے بنامِ خدا بنامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کی یا ذبح کیا، شیخ امام ابو بکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر اس شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے صرف تعظیم و تبجیل مراد لی تو جائز ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا تو ذبیحہ حلال نہ ہو گا۔(ت)

بل کہ اس سے بھی زائد خاص صورتِ عطف میں مثلاً "بنامِ خدا و بنامِ فلاں" جس سے صاف معنیٰ شرکت ظاہر ہے اگرچہ مذہب صحیح حرمتِ جانور ہے مگر حکمِ کفر نہیں دیتے کہ وہ امر باطنی ہے، کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہے۔ درِ مختار میں ہے:

ان عطف حرمت نحو باسم اللہ واسم فلان۔[17]

اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر دوسرے نام کا عطف کیا تو حرام ہے، مثلاً باسم اللہ واسمِ فلاں۔(ت)

ردّ المحتار میں ہے:

ھو الصحیح وقال ابن سلمۃ لا تصیر میتۃ لا نھالو صیارت میتۃ یصیر الرجل کافرا، خانیۃ، قلت تمنع الملازمۃ بان الکفر امر باطنی والحکم بہ صعب فیفرق کذا فی شرح المقدسی، شرنبلالیۃ۔[18]

وہی صحیح ہے اور ابنِ سلمہ نے فرمایا، مردار نہ ہو گا کیوں کہ اگر مردار کہیں گے تو ذبح کرنے والے کو کافر قرار دینا ہو گا، خانیہ۔ میں کہتا ہوں یہ ملازمہ ممنوع ہے کیوں کہ کفر باطنی امر ہے اور اس کا حکم دشوار ہے تو فرق کرنا ضروری ہے، شرح مقدسی میں اسی طرح ہے، شرنبلالیہ۔(ت)

اللہ اکبر! خود ذابح خاص تکبیرِ ذبح میں نامِ خدا کے ساتھ نامِ غیر ملا کر پکارے اور کافر نہ ہو، جب تک معنیٰ شرک کا ارادہ

16۔ فتاویٰ قاضی خاں، کتاب الاضحیۃ، فصل فی الانتفاع بالاضحیۃ، نولکشور، لکھنؤ، ۴/ ۷۵۰۔

17۔ در مختار، کتاب الذبائح، مطبع مجتبائی، دہلی، ۲/ ۲۲۸۔

18۔ رد المحتار، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۵/ ۱۹۱۔

نہ کرے بل کہ بے حرفِ عطف "بنامِ خدا بنامِ محمد ﷺ" کہے اور اس نامِ پاک کے لینے سے نبی ﷺ کی تعظیم ہی چاہے، حضور کی عظمت ہی کے لیے خاص وقتِ ذبح بنامِ خدا کے ساتھ بنامِ محمد ﷺ کہے تو جانور میں اصلاً حرمت و کراہت بھی نہیں، مگر پیش از ذبح اگر کسی نے یوں پکار دیا کہ "فلاں کا بکرا، فلاں کی گاے" تو پکارنے والا مشرک اور اس کے ساتھ یہ لفظ منہ سے نکلتے ہی جانور کی بھی کایا پلٹ ہو کر فوراً بکری سے کتّا، گاے سے سور، اگرچہ وہ منادی غیر ذابح ہو، اگرچہ ابھی نہ وقتِ ذبح نہ دمِ تکبیر، معاذ اللہ۔ وہ لفظ کیا تھے، جادو کے انچھر تھے کہ چھوتے ہی جانور کی ماہیت بدل گئی؟ ایسے زبردستی کے احکام شرعِ مطہر سے بالکل بے گانہ ہیں۔

بڑی دلیل ان کے قصدِ عبادتِ غیر و معنیٔ شرک پر یہ پیش کی جاتی ہے کہ "اس ذبح کے بدلے گوشت خرید کر تصدّق کرنا اُن کے نزدیک کافی نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب مقصود نہیں، بل کہ خاص ذبح للغیر و شرکِ صریح مراد ہے، اگرچہ وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمارا مطلب صرف ایصالِ ثواب ہی ہے۔"

اقول اس سے صرف اتنا ثابت ہُوا کہ خاص ذبح مراد ہے، ذبح للغیر کہاں سے نکلا، کیا ثوابِ ذبح کوئی چیز نہیں، یا گوشت دینے میں وہ بھی حاصل ہو جاتا ہے؟ عنایہ میں ہے:

التضحیۃ فیھا افضل من التصدق بثمن الاضحیۃ لان فیھا جمعا بین التقرب باراقۃ الدم والتصدق والجمع بین القربتین افضل اھ ملخصًا۔[19]

اس صورت میں قربانی کرنا اس کی قیمت کے صدقے سے افضل ہے کیوں کہ قربانی میں دونوں قربتیں حاصل ہوتی ہیں، خون بہاؤ اور صدقہ بھی، جب کہ دو قربتوں کو جمع کرنا افضل ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

مع ہٰذا عوام ایسی اشیا میں مطلقاً تبدیل پر راضی نہیں ہوتے، مثلاً جو آٹے کی چٹکی روزانہ اپنے گھر کے خرچ سے نکالتے اور ہر ماہ اُسے پکا کر حضورِ پُر نور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نیاز دِلا کر محتاج کو کھلاتے ہیں، اگر اُن سے کہیے کہ یہ آٹا جو جمع ہوا ہے، اپنے خرچ میں لائیے اور اِس کے عوض اور پکائیے، کبھی نہ مانیں گے، حال آں کہ آٹے میں کوئی ذبح کا محل نہیں اور ذبح بھی اگر اس جانور کے بدلے دوسرا جانور دیجیے، ہرگز نہ لیں گے، حال آں کہ ادائے ذبح میں دونوں ایک سے، تو اس کا کافی نہ سمجھنا اسی خیالِ تعیین و تخصیص کی بنا پر ہے، نہ معاذ اللہ اس توہّم باطل پر، خصوصًا جب کہ وہ بے چارے صراحۃً کہہ رہے ہیں کہ حاشا للہ ہم عبادتِ غیر نہیں چاہتے، صرف ایصالِ ثواب مقصود ہے۔

اور اگر انصاف کیجیے تو دربارۂ عدم تبدیل ان کا وُہ خیال بے اصل بھی نہیں، اگرچہ انہوں نے اس میں تشدد زیادہ سمجھ

19۔ العنایۃ علی ھامش فتح القدیر، کتاب الاضحیۃ، مکتبۂ نوریہ رضویہ، سکھر، ۸/ ۴۳۲۔

لیا ہو، جن چیزوں پر نیّتِ قربت کرلی گئی، شرعِ مطہر میں بلاوجہ اُن کا بدلنا پسند نہیں، لاسیما اذا کان النزول الی الناقص کما ھٰھنا وکل ذلک ظاھرًا جدًّا (خصوصًا جب کہ اعلا سے ادنا کی طرف تنزل ہو جیسا کہ یہاں ہے اور یہ تمام نہایت ظاہر ہے۔ت)

ولہٰذا اگر غنی قربانی کے لیے جانور خریدے اور اس معیَّن کی نذر نہ ہو تو جانور متعین نہیں ہو جاتا، اُسے اختیار ہے کہ اُس کے بدلے دوسرا جانور قربانی کرے، پھر بھی بدلنا مکروہ ہے کہ جب اس پر قربت کی نیت کرلی تو بلاوجہ تبدیل نہ چاہیے۔

ہدایہ میں ہے:

بالشراء للتضحیۃ لایمتنع البیع۔[20]

قربانی کے لیے خرید، بیع کے لیے مانع نہیں۔(ت)

اسی میں ہے:

ویکرہ ان یبدل بھا غیرھا۔[21]

اور اس قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا مکروہ ہے۔(ت)

اسی طرح تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔

بالجملہ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول و فعل کو وجہِ صحیح پر حمل واجب، اور یہاں ارادۂ قلب پر بے تصریح قائل حکم لگانے کی اصلاً راہ نہیں، اور حکم بھی کیسا کفر و شرک کا، جس میں اعلا درجے کی احتیاط فرض، یہاں تک کہ ضعیف سے ضعیف احتمالِ بچاؤ نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم، کما حقق کل ذٰلک الائمۃ المحققون فی تصانیفھم الجلیلۃ (جیسا کہ ائمہ محققین نے اپنی تصانیف میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت)

اگر بالفرض بعض کور دل احمقوں پر بہ ثبوت شرعی ثابت بھی ہو کہ ان کا مقصود معاذ اللہ عبادتِ غیر ہے تو حکم کفر صرف اُن ہی پر صحیح ہوگا، اُن کے سبب حکم عام لگادینا اور باقی لوگوں کی بھی یہی نیت سمجھ لینا محض باطل۔

قال اللہ تعالٰی لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔[22]

(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی۔(ت)

20۔ الھدایۃ، کتاب الاضحیۃ، مطبع یوسفی، لکھنؤ، ۴/ ۴۴۳۔

21۔ الھدایۃ، کتاب الاضحیۃ، مطبع یوسفی، لکھنؤ، ۴/ ۴۴۹۔

22۔ القرآن الکریم، ۶/ ۱۶۴۔

پس حق یہ ہے کہ نہ مطلقاً اس نام پر پکارنے پر حکمِ شرک صحیح، نہ اس وجہ سے جانور کو مردار مان لینا درست، بل کہ حکمِ شرک کے لیے قائل کی نیت پوچھیں گے، اگر اقرار کرے کہ اس کی مراد عبادتِ غیر ہے تو بے شک مشرک کہیں گے ورنہ ہرگز نہیں۔ اور حکمِ حرمت میں صرف قول و فعل و نیتِ ذابح خاص وقتِ ذبح پر مدار رکھیں گے۔ اگر مالک خواہ غیر مالک کسی کلمہ گو نے معاذ اللہ اسی نیتِ شرک کے ساتھ ذبح کیا تو بے شک حرام کہ وہ اس نیت سے مرتد ہو گیا، اور مرتد کا ذبیحہ نہیں، اور اگر اللہ عزوجل کے لیے جان دی اور قصداً تکبیر ترک نہ کی تو بے شک حلال، اگرچہ اس پر باعث ایصالِ ثواب یا اکرامِ اولیا یا نفعِ دنیا وغیرہا مقاصد ہوں، اگرچہ مالک غیر ذابح کی نیت معاذ اللہ وہی عبادتِ غیر ہو، اگرچہ پیش از ذبح یا غیر ذابح نے وقتِ ذبح کسی کا نام پکارا ہو، مالک سے وہ نیتِ ناپاک ثابت ہونا بھی ذابح پر کچھ مؤثر نہیں، جب تک خود اس سے بھی اسی نیت پر جان دینا ثابت نہ ہو کہ جب اس سے وہ نیت ثابت نہیں، اور مسلمان اپنے رب عزوجل کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے تو اس پر بدگمانی حرام و ناروا ہے، اوہامِ تراشیدہ پر مسلمان کو معاذ اللہ مرتکبِ کفر سمجھنا، حلالِ خدا کو حرام کہہ دینا، نامِ الٰہی عزوجل جو وقتِ تکبیر لیا گیا باطل و بے اثر ٹھہرانا ہرگز وجہِ صحت نہیں رکھتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔[23]

تمھیں کیا ہوا کہ نہ کھاؤ اس جانور سے جس کے ذبح میں اللہ کا نام یاد کیا گیا۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

انما كلفنا بالظاهر لا بالباطن فاذا ذبحه على اسم الله وجب ان يحل، ولا سبيل لنا الى الباطن۔[24]

یعنی ہمیں شرعِ مطہر نے ظاہر پر عمل کا حکم فرمایا ہے، باطن کی تکلیف نہ دی، جب اُس نے اللہ عزوجل کا نامِ پاک لے کر ذبح کیا، جانور حلال ہو جانا واجب ہوا کہ دل کا ارادہ جان لینے کی طرف ہمیں کوئی راہ نہیں۔

یہ چند نفیس و جلیل فائدے حفظ کے قابل ہیں کہ بہت ابنائے زمان ان میں سخت خطا کرتے ہیں۔ وباللہ العصمة والتوفیق وبه الوصول الی التحقیق (حفاظت و توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی کی مدد سے تحقیق تک رسائی ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

☆☆☆

23۔ القرآن الکریم، ۶/ ۱۱۹۔

24۔ مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳، المطبعۃ البہیۃ المصریۃ، مصر، ۵/ ۲۳۔

احقاقِ حق

حضور تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری دام ظلہ علینا

امام علی قاسمی دیوبندی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے ترجمۂ قرآن "کنزالایمان" پر "قرآن پر ظلم" کے عنوان سے کئی اعتراضات کیے۔ تاج الشریعہ حضرت مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم العالیہ نے "دفاعِ کنزالایمان" میں ان اعتراضات کے مفصل اور مدلّل جوابات تحریر فرمائے۔ اس جگہ دفاع کنزالایمان سے آیتِ کریمہ کے ترجمۂ کنزالایمان پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات سہ ماہی "سفینۂ بخشش" کراچی، بابت ربیع الآخر تا جمادی الاخریٰ کے شکریے کے ساتھ "معارفِ رضا" کے قارئینِ کرام کی نذر کیے جارہے ہیں۔ ادارہ

معترض نے "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کے ترجمۂ رضویہ (ترجمہ کنزالایمان) پر بھی اعتراض کا منہ کھولا ہے۔ ترجمۂ رضویہ درج ذیل ہے: "تم فرماؤ ظاہر صورتِ بشری میں تو میں تم جیسا ہوں"۔

معترض صاحب کو لفظ "ظاہر صورتِ بشری" پر اعتراض ہے، ان کی معترضانہ تحریر عنقریب آئے گی۔ سرِدست ہمیں ان کلمات سے کام ہے جو معترض نے بہ طور تمہید کہے ہیں، معترض نے کہا: "بریلوی فرقے کی طرف سے علمائے اہلِ سنت کے بارے میں یہ بار بار کہا جاتا رہا ہے کہ وہ پیغمبروں کی بشر اور بھائی کہہ کر توہین کرتے ہیں۔"

اقول وباللہ التوفیق: چہ خوش اپنی پردہ پوشی کا کیا خوب انداز ہے عبارت ایسی اختیار کی جو ناظرین کو خواہ مخواہ یہ وہم دلائے کہ یہ بے چارے علمائے دیوبند اس الزام سے بری ہیں۔ جی ہاں! بے شک توہینِ رسول تمہارا اور تمہارے اکابر کا شیوہ ہے۔ منجملہ تنقیصِ شانِ رسالت کے یہ بھی ہے کہ تمہارے امام الطائفہ (گروہ کے سردار) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف صاف بھائی کہا ہے اور جگہ محبوبانِ خدا کو تمام انسانوں کے ساتھ عجز و نادانی میں شریک بتا کر اپنے جیسا بشر قرار دیا ہے، تقویۃ الایمان میں کہا: "ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم چھوٹے۔" (ص۸۱) "سو بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے۔" (ص۸۰) نیز کہا: "جو بشر کی سی تعریف ہے سو وہی کرو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔" (ص۸۵) نیز حضور کو ہر قوم کے چودھری اور گاؤں کے زمیندار سے تشبیہ دی، اس کی عبارت یہ ہے: "جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار اسی طرح سے ہمارے پیغمبر سارے جہان کے سردار ہیں۔" (ص۸۵،۸۶) نیز اسی تقویۃ الایمان میں ہے: "ان باتوں میں سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بے خبر ہیں اور نادان۔" نیز سب انبیا کے لیے لکھ مارا: "سب انبیا اس (اللہ تعالیٰ) کے روبہ رو ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔"

بحمدہٖ تعالیٰ معترض نے جسے یہ کہہ کر کہ: "بریلوی فرقے کی طرف سے۔۔۔الخ" چھپانا چاہا تھا ہم نے اسے بے نقاب کر دیا۔ خود معترض کی پردہ پوشی ان عبارات کی قباحت کی کھلی دلیل ہے۔۔۔ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

لہٰذا ہمیں ان کے رد کی چنداں حاجت نہیں۔ للہ الحمد اسی منہ سے اپنے کو "علمائے اہلِ سنت" کہتے ہو؟

یہ منہ اور مسور کی دال

قولہ: لیکن جب بریلویوں کے مجدد ترجمہ کرتے

کرتے ان آیتوں پر پہنچے جن میں پیغمبروں کو بشر اور بھائی کہا گیا ہے تو عجب کش مکش اور الجھن میں پڑ گئے کہ اگر صحیح ترجمہ کرتے ہیں تو الزام الٹ کر اپنی طرف آتا ہے اور اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہلِ علم کو کیا منہ دکھائیں گے اس لیے درمیانی چال چلی کہ ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھا دیے۔ ۔۔۔الخ هذیانا ته

اقول: اولاً: معترض صاحب کی یہ عادت بن گئی ہے کہ دعویٰ کر دیتے ہیں اور دلیل نہیں دیتے جیسے ان کا دعویٰ مسلمات میں سے ہو۔ یہاں بھی یہی کیا ہے کہ دعویٰ کر دیا کہ "الزام الٹ کر اپنی طرف آتا ہے۔" اور وجہ نہ بتائی، ہم بتائیں معترض صاحب کی یہ لیاقت علمی ہے کہ انہوں نے آیۂ کریمہ: "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کو اپنے دعوے کی دلیل سمجھ لیا ہے جبھی تو چمک کے کہا کہ "اگر صحیح ترجمہ کرتے ہیں تو الزام۔۔۔الخ" حالاں کہ آیۂ کریمہ میں حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ تم تواضعاً فرمادو کہ میں تم جیسا ہوں نہ کہ ہمیں حکم یہ کہیں کہ حضور ہم جیسے بشر ہیں اور ہمیں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ ہم یہ کہیں جب کہ اللہ عزوجل حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے بارے میں فرماتا ہے:

"يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" (سورۃ الاحزاب)

یعنی "اے نبی کی بیبیو! تم عورتوں میں کسی کی طرح نہیں ہو۔"

حضور ﷺ اپنے لیے فرماتے ہیں "تم میں کون مجھ جیسا ہے؟ "لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآ" میں تم میں کسی کی طرح نہیں" تو یہ خوش فہمی معترض صاحب پر الزام کی رجسٹری کر رہی ہے۔ وللہ الحمد ثانیاً: معترض نے کہا: "اور اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہلِ علم کو کیا منہ دکھائیں گے۔" بحمدہٖ تعالیٰ معترض نے خود اپنے منہ قبول دیا کہ یہ ترجمہ رضویہ غلط نہیں بلکہ صحیح ہے اس لیے کہ ناظرین کرام پر یہ روشن کہ یہ کہنا کہ "اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں۔" اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ترجمہ غلط نہ ہو اور ہر سمجھ والے پر ظاہر کہ غلط اور صحیح کے درمیان واسطہ نہیں تو جو غلط نہ ہوگا ضرور صحیح ہوگا تو اب ناظرین کرام خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ معترض نے یہ کہہ کر کہ "اس لیے درمیانی چال چلی۔۔۔الخ" اپنا رد خود ہی کر لیا اور اپنی سمجھ دانی سب کو کھول کر دکھادی۔

خدا جب دین لیتا ہے
خرد بھی چھین لیتا ہے

كذالك العذاب ولعذاب الاخرة اكبر لو كانوا يعلمون

اب معترض بہادر ترجمۂ رضویہ لکھنے کے بعد یوں منہ کھولتے ہیں "اس ترجمے پر کئی اعتراضات واقع ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ قرآنِ مجید میں "انما انا بشر مثلكم" اصل عبارت ہے، معمولی عربی جاننے والا سمجھتا ہے کہ انما حصر کے لیے اور بشر کے معنی "آدمی" اور مثل کے معنی "جیسے" اور کُمْ کے معنی "تم" ہیں۔ اس لیے صحیح ترجمہ یہ ہوا: "بس میں تمہارے جیسا آدمی ہوں۔" اسی لیے شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے یہ ترجمہ کیا کہ "سوائے اس کے نہیں کہ میں آدمی ہوں مانند تمہارے۔" اور شاہ عبد القادر محدث دہلوی کا ترجمہ یہ ہے "میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔" ان حضرات کے علاوہ اور ترجمہ کرنے والوں نے اسی جیسا ترجمہ کیا ہے اس لیے فاضل بریلوی کا ظاہر صورت کی عبارت لانا اور وہ بھی بریکٹ کے بغیر بہر حال غلط ہے۔"

اقول: اولاً: بالکل غلط اور مہمل ہے آپ پہلے یہ کہہ

کرتے اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہلِ علم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اپنے منہ آپ قبول چکے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط نہیں ہے۔ ہاں اپنی لیاقتِ علمی سے اسے درمیانی بتا رہے ہیں تو آپ کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ "یہ ترجمہ غلط ہے نہ صحیح ہے بلکہ درمیانی ہے۔" یہیں سے آپ کے اعتراض کی حقیقت ظاہر کہ خود ہی اسے جھٹلا دیتے ہیں۔

ثانیاً: جناب کا تراجم کو ترجمۂ رضویہ کے غلط ہونے پر دلیل بنانا صحیح نہیں یوں کہیے کہ ترجمۂ رضویہ ان دو مشہور تراجم کے خلاف ہے تو ایک بات بھی ہوتی، مگر صاحب بہادر ہر غیر مشہور کا غلط ہونا ضروری نہیں، ہم صادی سے اس کی مثال دے چکے۔

ثالثاً: ترجمۂ رضویہ کے غلط ہونے کی دوسری وجہ بیان کی ہے کہ "ترجمے میں زائد الفاظ بڑھا دیے" اور اسی کی دلیل آیتِ کریمہ کے مفردات کے معانی بیان کر کے دی ہے۔ سبحان اللہ! آپ عربی بھی پڑھانے لگے؟

یہ منہ اور مسور کی دال۔۔۔۔!

پھر اس عربی پڑھانے میں کیسی صریح غلطی کی کہ کُم کے معنی "تم" جی اگر کُم کا معنی "تم" ہے تو "تمہارے" کس کا ترجمہ ہے؟ یہیں سے ظاہر کہ جناب کو معمولی عربی بھی نہیں آتی کہ سمجھ لیتے کہ کُم یہاں محلِ جر میں مضاف الیہ ہے تو اس کا ترجمہ "تمہارے" ہوا نہ کہ "تم"

اقول وباللہ التوفیق۔ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ "ظاہر صورتِ بشری" کلام پر زائد ہے اس لیے کہ یہ ظاہر کہ "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (میں تم جیسا بشر ہوں۔) میں تشبیہ ہے اور تشبیہ کے ارکان چار ہیں مشبہ، مشبہ بہ، اداۃِ تشبیہ اور وجہِ تشبیہ۔ اب "میں تم جیسا بشر ہوں" میں 'بشریتِ حضور، صلی اللہ علیہ وسلم مشبہ اور 'لوگوں کی بشریت' مشبہ بہ اور 'جیسا' اداۃِ تشبیہ ہے، رہی وجہِ تشبیہ تو وہ لفظ میں موجود نہیں بلکہ محذوف ہے اور محذوف حقیقت میں لفظ ہے۔ شرح جامی میں ہے: **والمحذوف لفظ حقیقةً۔الخ** (اور محذوف حقیقۃً لفظ ہے) معترض صاحب! اب بتائیں کہ یہ ترجمہ میں زیادتی ہوئی یا اس محذوف وجہِ تشبیہ کا اظہار ہوا جو جزوِ تشبیہ ہے اور جس کے بغیر کلام صحیح نہیں۔ اسی منہ سے عربی پڑھانے چلے تھے، پھر یہ کہ آیتِ کریمہ میں "بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" خود اس وجہِ تشبیہ کے محذوف ہونے پر قرینہ ہے جو یہ سمجھا رہا ہے کہ تشبیہ ظاہر بشریت میں ہے کہ باطن وروح میں مگر سمجھنے کا قرینہ تو چاہیے۔ معترض صاحب! اب بتائیں کہ جب کہ وجہِ تشبیہ یہاں ضروری اور اس پر خود قرینۂ لفظیہ موجود تو شاہ رفیع الدین و شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ترجمے میں اور ترجمۂ رضویہ میں سوائے اس خصوصیت کے کہ ترجمۂ رضویہ میں وجہ تشبیہ صراحۃً مذکور ہے اور ان دو میں نہیں کیا فرق ہوا۔ **ولکن الوھابیة قوم یجھلون۔**

یہ تو اس صورت پر تھا جب بشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشبہ بنائیں اب اگر کہو کہ بشر خود معنی وجہ تشبیہ ہے تو اس صورت میں "ظاہر صورت بشری" اس وجہ تشبیہ کی تفسیر ہوگی کہ یہاں بشریت میں تشبیہ محض باعتبار ظواہر اور اعراض بشری کے ہے نہ کہ بہ اعتبار کل وجوہ کے بلکہ ذہین وفطین پر روشن کہ یہ بشر کے وجہ تشبیہ ہونے کی طرف اشارے کے ساتھ اس کے معنی کا بہ طرزِ لطیف بیان بھی ہے اس لیے کہ بشر میں ظہور ملحوظ ہے۔ شرح شفا میں ہے: "**وسموا بشرا الظھور جلودھم لان البشرة ظاھر الجلدی**" (یعنی، انسان کو بشر اس کے جلد کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں۔) اس لیے کہ بشر ظاہر جلد ہے تو اسے زیادتی کہنا زیادتی ہے۔ کوئی معقول آدمی ہوتا تو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا شکر گزار ہوتا کہ ایسا ترجمہ

فرمایا کہ جس نے شبہات کا ازالہ کر دیا اور اس خصوصیت کو سمجھا کہ ان کا ترجمہ ترجمہ ہی نہیں بلکہ مختصر اور جامع تفسیر بھی ہے جو اس کے دیکھنے والوں کو بڑی بڑی کتابوں میں دیدہ ریزی کی مشقت سے بچالیتی ہے مگر معترض صاحب سے اس کی کیا امید۔۔۔۔ع

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اب چلو میں تمہارا جی رکھنے کو یہ تسلیم کرلوں کہ تمہارے بہ قول ترجمے میں زائد الفاظ بڑھادیے، مگر اے عقلمند! ہر زیادتی ناجائز نہیں ہوتی۔ زیادتی وہ ناجائز ہوتی ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور جس پر صحتِ کلام موقوف ہو وہ حقیقت میں زیادتی ہی نہیں چہ جائیکہ ناجائز ہو اور یہاں تم جسے زیادتی سمجھتے ہو وہ زیادتی ضروری ہے اور خود اس کی ضرورت اس کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتا ہے "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (تم فرمادو! میں تم جیسا بشر ہوں) اور حضور کی ازواج مطہرات سے فرمایا "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ نبی (ازواج مطہرات) جنہیں ساری فضیلت و برتری نساء نبی (ازواج مطہرات) ہو کر ملی وہ کسی کی طرح نہ ہوں اور خود حضور ﷺ نے فرمایا: "لَسْتُ كَهَیْئَتِكُمْ" (میں تمہاری ہیئت پر نہیں۔) "لست کاحد منکم" (میں کسی (انسان) جیسا نہیں) "ایکم مثلی" (تم میں کون مجھ جیسا ہے) تو کیا کوئی یہ کہے گا کہ سرکار نے بشریت کا انکار فرمادیا، والعیاذ باللہ ہر گز نہیں، تو پھر اس تعارض کا کیا تدارک ہوگا ظاہر کہ یہاں ترجیح کی طرف راہ نہیں تو لا محالہ تطبیق ضروری اور وہ اسی طرح ہوگی کہ مثلیت کا اقرار باعتبار ظاہر جسمیت و اعراض کے ہو اور مثلیت کا انکار بہ اعتبار باطن و روحِ محمدی (ﷺ) کے ہو۔ دور کیوں جاؤ اسی آیت کو لے لو جسے تم لوگ بشر کہنے کی دلیل بنائے ہوئے ہو خود اس میں اس پر دلیل موجود ہے، ہم سے سنو: "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کے متصل ہی فرمایا گیا: "یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" (میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے) یہ ارشاد خود فرق کی روشن دلیل ہے اور اس وجہِ تطبیق کی طرف راہ نما ہے جو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے "ظاہر صورتِ بشری" فرما کر افادہ فرمائی اس لیے کہ یہ ظاہر کہ وحی ایسا باطنی امر ہے کہ اس کی خبر ماوشا کو تو کیا ہوتی صحابۂ کرام نے بھی اس کے نزول کو نہ دیکھا بلکہ منزل ادنیٰ میں جو وحی ہوئی اس سے تو خود وحی لانے والے جبریل امین (علیہ السلام) بھی بے خبر ہیں۔ قال تعالیٰ: "فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی" (تو اللہ نے اپنے بندے محمد (ﷺ) کی طرف وحی کی، جو وحی کی) آیت کریمہ میں عبدہ سے مراد حضور ﷺ ہیں اور "اَوْحٰی" کی ضمیر اسم جلالت کی طرف راجع ہے۔ کما افادہ فی الشفاء عن جماعة من المفسرین وایدہ تو جب وحی ایسا باطنی امر ہے تو لا محالہ اس باطن کے لیے اسی جیسا باطن سرکار ﷺ کے لیے ضروری جو تمام بشر کے بواطن سے اعلیٰ ہو اور جب وہ باطن سرکار ﷺ کے لیے ثابت تو حضور ﷺ کا اپنے اس باطن و روح کے اعتبار سے بشر سے جدا ہونا ضروری امر ہوا اور تشبیہ محض بہ اعتبار ظاہر کے رہ گئی اسی کو حضور ﷺ نے فرمایا: "یَا اَبَا بَكْرٍ لَمْ یَعْرِفْنِیْ حَقِیْقَةً غَیْرُ رَبِّیْ" کذا فی مطالع المسرات (اے ابو بکر! میری حقیقت کو سوائے میرے رب کے کسی نے نہ جانا) اور یہی مراد ہے حضور ﷺ کی اس فرمان سے جو ارشاد ہوا کہ "لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ" (اللہ

کے ساتھ میرا ایک وہ وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش نہ کسی نبیِ مرسل کی مجال) اس پر "شرح شفا" میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان واجب الاذعان سننے کے قابل ہے، فرمایا: " والتحقیق آن المراد بالنبی المرسل ذاته الا كملفانه فی مقام جمع الجمع یفنی عن ذاته ومقاماته" یعنی تحقیق یہ ہے کہ مراد نبیِ مرسل سے حضور ﷺ کی ذاتِ کاملہ ہے اس لیے کہ حضور مقام جمع الجمع میں اپنی ذات و مقامات سے فنا ہو کر اللہ کی ذات و صفات کے مشاہدے میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔) علامہ علی قاری کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ سرکارِ ابد قرار علیہ افضل الصلاۃ والسلام کے لیے ایک ایسا مقام بھی ہے جہاں خود انہیں کی بشریت حاضر نہیں ہوتی بھلا جس کا باطن ایسا ارفع و اعلیٰ ہو اس میں سوائے مشابہت ظاہری کے اور کیا متصور ہو۔ اسی لیے علمائے کرام نے مشابہت صرف حضور ﷺ کے ظاہر میں رکھی وہ بھی بایں معنی کہ حضور پر بعض اعراض و امراض بشری طاری ہوئے ہیں نہ کہ حسن و صورت میں کہ وہ تو سب سے اعلیٰ ہے اور جس طرح ان کا باطن سب سے ارفع ہے اسی طرح تمام انبیا کے بواطن تمام بشر سے اعلیٰ ہیں، شفا میں ہے:

"فظواھرھم وجسادھم وبیتھم متصفة باوصاف البشر طارئٌ علیھما ما یطرا علی البشر من الاعراض والاسقامو لموت والفناء ولغوت الانسانیة وارواحھم بواطنھم متصفة باعلیٰ من اوصاف البشر متعلقة بلملاءِ الاعلیٰ متشبھة بصفات الملٰئکة سلیمة من التغیر والآفات لا یمحقھا غالبا عجز الشریة و لا ضعف الانافیھة۔۔۔الخ"

انبیا کے ظواہر اور ان کے اجسام اوصاف بشری سے متصف ہیں ان پر وہ طاری ہوتا ہے جو بشر پر طاری ہوتا ہے یعنی اعراض و امراض و موت اور انسانی احوال اور ان کی ارواح و بواطن ان اوصاف سے متصف ہیں جو بشر کے اوصاف سے اعلیٰ ہیں اور صفاتِ ملائکہ کے مشابہ ہیں تغیر و آفات سے محفوظ ہیں کہ انہیں عجز و بشریت اور ضعف انسانیت لاحق نہیں ہوتا۔) "نسیم الریاض شرح شفا" میں ہے: "(فجعلوا من جھة الاجسام والظواھر مع البشر) ای موافقین لھم فی صورتھا (ومن جھة الرواح والبواطن مع الملائکة) أی متصفین بصفاتھم وھذا دلیل علیٰ أن ظاھرہ کما صرحوا به ولا یقاس علیه غیرہ من الأمة کما توھم و توضوہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم استحبابا أو تعلیمات لامته او لعروض مایقتضیه" نیز اسی میں ہے: "لانه ﷺ بشری الظاھر ملکوتی لا یتحلی بأحوال البشر کعد الیاقوت من الاحجار" (انبیائے کرام اپنے ظواہر و اجسام کی جہت سے بشر کے ساتھ کیے گئے یعنی ظاہر صورتِ بشری میں بشر کے مشابہ ہوئے اور اپنی ارواح و بواطن کی جہت سے ملائکہ کے ساتھ رکھے گئے یعنی ان کی ظاہر سے متصف ہوئے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کا ظاہر بشری ہے اور باطن ملکوتی ہے اسی لیے علمانے کہا کہ حضور ﷺ کی نیند ناقضِ وضو نہیں اور آپ پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ کسی کو وہم ہوا اور نیند سے حضور ﷺ کا وضو فرمانا استحبابی امر ہے یا امت کو تعلیم کے لیے ہے یا کسی ایسے امر کا عارض ہونا ہے جو وضو کا مقتضی ہے اس لیے کہ حضور ﷺ ظاہر میں

بشری ہیں باطن میں ملکوتی ہیں اور آپ بشری احوال سے اسی وقت متصف ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے تاکہ امت ان کی ریت پکڑے اور ان خصالِ حمیدہ سے مشرف ہو جو اللہ نے حضور ﷺ کے لیے پسند فرمائے تو حضور ﷺ کو بشر میں شمار کرنا ایسا ہے جیسا کہ یاقوت کو پتھر میں گننا۔)

ناظرینِ کرام! دیکھیں کہ ان عبارتوں سے کیسا روشن کہ تشبیہ محض ظاہر کے اعتبار سے ہو سکتی ہے اور باطن کے اعتبار سے نہیں ہو سکتی۔ معترض بہادر! یہ سنتے چلیں کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ترجمہ جسے انہوں نے اُردو کے ترجمے کی بنا پر غلط بتایا تھا وہ علما کے نزدیک نہ صرف یہ کہ صحیح ہے بلکہ ایسا مشہور ہے کہ محتاجِ بیان نہیں تو وہ جو ہم نے کہا تھا کہ ہر غیر مشہور غلط نہیں ہوتا محض تنزل تھا اور اُردو کے ترجموں کی ہی حد تک تھا۔ نیز ان ارشادات کے پیشِ نظر ترجمۂ رضویہ کو دیگر تراجم پر فوقیت ظاہر جیسا کہ پہلے بیان کر آئے تو اس مقام پر دیگر تراجم کو لانا جہل ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

معترض میں ہمت ہے تو اب ان علما کو وہ الزام دے جو سرکار امام احمد رضا کو دیے کوئی بعید نہیں کہ انہیں بھی کہنے کی جرأت کر بھاگو، مگر پہلے اپنوں کی تو خبر لو۔ سنو! یہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا فرما رہے ہیں: "وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی" کے تحت تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں: "یعنی البتہ ہر حالتِ آخر بہتر باشد تراز معاملت اول تا آنکہ بشریت ترا اصلاً وجود نہ ماند و غلبۂ نورِ حق بر تو علیٰ سبیل الدوام حاصل شود" اھ (ہر آیندہ حالت تیرے لیے معاملۂ گزشتہ سے بہتر ہو گی یہاں تک کہ تیری بشرت کا اصلاً وجود نہ رہے اور ہمیشہ کے لیے تیرے اوپر نورِ حق کا غلبہ ہو۔) معترض صاحب! یہ تو بہت اونچی ہو گئی، آپ نے تو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو محض اتنی سی بات پر کہ انہوں نے "ظاہر صورتِ بشری" فرمادیا یہ الزام دے دیا کہ معاذاللہ سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثناء امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خدا ہیں، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: "دوسرے "ظاہر صورت بشری" میں تو پیارے پیغمبر دوسرے انسانوں کی مانند انسان ہیں حقیقت میں کیا ہیں یہ نہیں بتلایا اگر انسان کے علاوہ فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق مانا جائے تو توہین ہوتی ہے کیونکہ انسان تمام مخلوقات سے درجے میں بلند ہے اس لیے سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ ظاہر میں بشر ہیں حقیقت میں خدا ہیں۔۔۔ الخ" ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے، کافر سب کو کافر ہی سمجھتا ہے مگر شاہ صاحب تو معترض کے طور پر بشریت حضور ہی سے منکر ہو گئے۔ اب انہیں بھی یہی الزام دے ورنہ ان کے بچاؤ کی کیا تدبیر ہے، بتایئے؟

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

ابھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو اور سنیے، یہ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی "قصیدۂ بردہ" کی "شرح عطرالوردۃ" میں رقم طراز ہیں:

منزہ عن شریک فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

"جناب رسالت مآب ﷺ اس عیب سے پاک ہیں کہ ان کی خوبیوں میں بالذات اور کوئی ان کا شریک ہو بلکہ تمام خوبیوں کے آپ مستقل مالک ہیں اوروں میں جو خوبیاں ہیں آپ کی خوبیوں کا ظل ہے کیونکہ وہ آپ ہی سے مستفادہ میں۔۔۔ الخ"

معترض صاحب! یہ تو تمہیں اور کڑوی لگنی چاہیے

کہ اس میں تو سرے سے تشبیہ ہی کی نفی ہے مگر دیوبندی کی شرم رکھنے کو کچھ فتویٰ صادر نہ کروگے۔ یہی ذوالفقار علی اس کتاب کے آخر میں اپنے قصیدۂ نعتیہ میں کہتے ہیں۔۔۔ع

ما مثل احمد فی الوجود کریما

حضور ﷺ کے مثل وجود میں کوئی کریم نہیں۔

ظاہر ہے کہ کرم ایک باطنی وصف ہے جس میں حضور کے مثل کی نفی کی ہے، للہ انصاف! جب حضور ﷺ کے وصفِ باطنی میں کوئی آپ کا مثل نہیں تو اب مثلیت سوائے ظاہر کے کاہے میں رہ گئی؟ کیوں معترض بہادر! اب کیا یہی ٹھہرائی ہے کہ ہم کہیں تم نہ کہو۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

آگے "میلادِ گوہر" کے اشعار نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ:

"ان شعروں میں رسول اللہ ﷺ کو خدا کا اوتار ظاہر کیا گیا ہے اگر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے تو انہوں نے ترجمہ میں "ظاہر صورت" کے الفاظ کیوں بڑھائے۔"

بحمدہ تعالیٰ! ہم نے ثابت کیا کہ "ظاہر صورت" کی قید ضروری جس پر صحتِ کلام موقوف ہو اور اسی سے آیات و احادیث کے درمیان تطبیق حاصل اور اپنے مفید مطلب عبارات خصوصاً شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان واجب الاذعان اور آخر میں ذوالفقار علی دیوبندی کی عبارت پیش کی، کسی کے خلاف شرع شعر سے امام احمد رضا پر کیا الزام۔

نہ اس "ظاہر صورت" کی قید سے مذکورہ اشعار کا تسلیم کرنا لازم ہے تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اس دیوبندی سے بھی پوچھے کہ، اے شاہ صاحب! اگر تم ان کو تسلیم نہیں کرتے تو تم نے کیوں کہا کہ "تیری بشریت کا اصلاً وجود نہ رہے۔" اور اے دیوبندی صاحب! تم نے حضور کے مثل کی نفی کیوں کی۔ معترض بہادر! پھر بے دیکھے تیر چلاگئے

تنبیہ: میلادِ گوہر سے معترض نے یہ شعر بھی نقل کیا:

ادب سے زباں تھام کر رہ گیا میں
حبیبِ خدا کو خدا کہتے کہتے

اس شعر میں کوئی حرج نہیں اس سے معترض کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا تو اسے ذکر کرنا طرفہ جہالت ہے۔ نیز اس شعر کو بھی معترض نے جائے اعتراض میں رکھا ہے. جو یہ ہے۔

ندا تھی کہ سرکار تشریف لاؤ
دو عالم کے مختار تشریف لاؤ

یہ شعر ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ وہابیہ نہ مانیں تو ہماری بلا سے جہنم میں جائیں۔ پھر لکھتے ہیں: "اگر کوئی صاحب کہہ دیں کہ "ظاہر صورت" اس لیے بڑھایا گیا ہے تا کہ کوئی دھوکہ نہ کھا جائے کہ پیغمبر ﷺ، خدا کی پناہ، بالکل دوسرے انسانوں کی مانند کمالات سے خالی ہیں۔ یہ کہنا جہالت ہے کیوں کہ جن کا قرآنِ مجید پر ایمان ہے وہ آپ کے فضائل پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جن کا ایمان نہیں ان کے لیے یہ وضاحت بے کار ہے۔"

اقول: اَوّلاً: ہرگز بے کار نہیں اس لیے کہ ایمان والوں میں زیرک و نادان سبھی ہیں اور نادان کے لیے یہ وضاحت ضروری اگرچہ زیرک کے لیے ضروری نہیں اور بے ایمان کے لیے یہ قید اس کے منہ میں لگام لگانے کے لیے ہے۔

ثانیاً: معترض نے خود ہی صاف کہہ دیا کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے وہی ہیں جن کا فضائل حضور ﷺ پر ایمان ہے۔ معترض بہادر! اسماعیل دہلوی تو

سب بندوں کو بڑے یا چھوٹے عجزونادانی میں برابر کہہ چکے اور یہ کہہ کر فضائلِ نبی سے مکر چکے اور تم خود قبول کر چکے کہ "جس کا قرآنِ مجید پر ایمان ہے۔۔۔الخ" تو بولو! تم اور تمہارا امام بے ایمان ہوئے کہ نہیں پھر کس منہ سے کہتے ہو: "جس کا قرآنِ مجید پر ایمان ہے۔۔الخ" **ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** آگے کہتے ہیں کہ "سوال ہوتا ہے کہ اگر ترجمے میں صرف بشر لے آتے تو حرج کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بشر کہنا کافروں کا طریقہ بتلا چکے ہیں۔۔۔الخ"

اقول: جی کافروں کا طریقہ نہیں تو آپ کے نزدیک مومنوں کا طریقہ ہوگا۔ ذرا بتائیے کونسی آیت، کون سی حدیث میں آیا ہے کہ مسلمانوں نے سرکار ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہا؟ **قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ**

پھر لکھا: "رسولِ اکرم کو صفاتِ خداوندی کا مظہر اور کائنات وجنت ودوزخ، رزق وخیر کا مالک و قاسم بتا چکے ہیں اور حضور کو اپنا مجازی رب اور اپنے کو ان کا بندہ کہہ چکے ہیں۔۔۔الخ"

قولہ: "اور رسولِ اکرم کو صفات خداوندی کا مظہر"

اللہ! اللہ! یہ قلم خود توحید پرستوں کو حضور کے مظہرِ الٰہی ہونے پر بھی اعتراض ہے جن کی یہ شان ہے کہ "**مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ**" (جس نے مجھے دیکھا اُس نے اپنے اللہ کا جلوہ دیکھا۔ معترض بہادر! اگر بندے کا مظہر صفاتِ الٰہی ہونا ناجائز تو "**تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ**" (اللہ کے اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہوجاؤ)۔ کا کیا مطلب ہوگا اور مشکوٰۃ کی اس مشہور حدیث کا کیا معنی بیان کیا جائے گا جس میں وارد ہوا: "**ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلھا التی یمشی بھا**" (بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعے نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے چاہتا ہوں تو جب میں اسے چاہتا ہوں تو اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔) اللہ کے کان، آنکھ، ہاتھ، پیر نہیں تو سوائے اس کے کیا کہیے گا کہ بندہ اللہ کی صفات سمع وبصر وقدرت کا مظہر ہوجاتا ہے۔

اچھا معترض بہادر! ہماری نہ مانوں تو اپنے امام (اسماعیل دہلوی قتیل) کی سنو، وہ "صراط مستقیم" میں رقم طراز ہیں: "پس صفات اگرچہ فی حد ذاتہا مستغنی از مظاہر است لیکن بنابر اقتضائے حکمتِ الٰہیہ باوجود استغنا در مظاہر مختلفہ کہ عبارت از مخلوقات است ظہور نمودہ ۔۔۔الخ" ملتقطاً۔

لو! تم تو حضور ﷺ کو اللہ کے صفات کا مظہر کہنے پر معترض ہو امام الطائفہ (اسماعیل دہلوی قتیل) نے تو ساری مخلوق کو مظاہر صفات کہہ دیا، ہماری تائید ہوئی۔ وللہ الحمد معترض بہادر! اب امام الطائفہ کو کیا کہتے ہیں۔ **کذالک العذاب ولعذاب الاخرۃ اکبر لو کانو یعلمون۔**

قولہ: "اور کائنات وجنت ودوزخ، رزق وخیر کا مالک و قاسم ۔۔ہیں۔۔۔الخ" بے شک حضور ﷺ مالک و قاسم ہیں، ان کے رب نے انہیں مالک بنایا۔ قال تعالیٰ: "**اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ**" (بے شک اے محمد ﷺ! ہم نے تمہیں خیر کثیر عطا فرمائی۔) "مدارج النبوۃ" میں فرمایا: "مراد بداں خیر کثیر است در دنیا و آخرت۔۔۔الخ" (مراد اس سے دنیا وآخرت کی کثیر نعمتیں ہیں۔)

رہی یہ بات کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ اپنے کو حضور ﷺ کا بندہ لکھ چکے ہیں تو یہ۔ بے شک صحیح ہے۔ یقیناً ہر اہلِ ایمان

کے لیے بندۂ سرکارِ مدینہ ہونا فخر ہے مگر اس سے نتیجہ نکالنا کہ خود کو ان کا بندہ کہنا معاذ اللہ انہیں خدا کہنا ہے، یہ معترض اور اس کی جماعت کی عقل کے شایان ہے، قرآن میں ہمارے غلاموں کو ہمارا بندہ فرمایا گیا: "وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ" تم میں جو عورتیں بے شوہر ہیں ان کو بیاہ دو اور تمہارے بندوں اور باندیوں میں جو لائق ہیں ان کا نکاح کر دو۔) معترض بہادر! اب یہی الزام خدا کو دو۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں: "لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِيْ عَبْدِهٖ وَلَا فَرَسِهٖ صَدَقَةٌ" (مسلمان پر، اس کے بندے اور اس کے گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں۔) یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور باقی سب صحاح میں ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مجمع صحابہ میں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر اعلانیہ بر سر منبر فرمایا: "کنت مع رسول اللہ ﷺ وکنت عبدہ وخادمہ" (میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، میں حضور ﷺ کا بندہ تھا اور حضور ﷺ کا خدمت گار تھا۔) یہ حدیث وہابیہ کے امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کے دادا اور زعم طریقت میں پر دادا جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے "ازالۃ الخفاء" میں بہ حوالہ ابو حنیفہ و کتاب "الریاض النضرۃ" لکھی اور اس سے سند لی اور مقبول رکھی۔ "مثنوی شریف" میں "قصۂ خریداری بلال رضی اللہ عنہ" میں ہے: "سیدنا صدیقِ اکبر نے حضور پر نور ﷺ سے عرض کی۔

گفت مادو بندگانِ کوے تو
کردمش آزاد ہم بر روے تو

اللہ فرماتا ہے: "قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۝ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝"

(اے محبوب! تم اپنی تمام امت سے یوں خطاب فرماؤ کہ: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے، بے شک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔)

حضرت مولوی معنوی قُدِّسَ سِرُّہٗ "مثنوی شریف" میں فرماتے ہیں ؎

بندۂ خود خواند احمد در رشاد
جملہ عالم را بخواں قل یعباد

طرفہ یہ کہ وہابیہ کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی "حاشیہ شمائم امدادیہ" میں قرآنِ کریم کا یہی مطلب ہونے کی تائید کر گئے کہ تمام جہان رسول اللہ ﷺ کا بندہ ہے۔ معترض بہادر! حضور ﷺ اور حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو بھی کیا شرک کا الزام دیں گے؟ نیز شاہ ولی اللہ صاحب کو کیا کہیں گے؟ اور اپنے حکیم الامت تھانوی صاحب کے لیے کیا کہیں گے؟ اور سنیں محمود حسن دیوبندی، رشید احمد گنگوہی کے لیے کہہ رہے ہیں۔۔۔ ع

عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی
(مرثیۂ گنگوہی)

یعنی رشید احمد گنگوہی کے کالے غلام بھی یوسف ثانی ہیں، ان کے لیے بھی جواب سوچ رکھیں۔ آگے معترض صاحب بہادر منہ کھولتے ہیں: "اور بعض معتقد تو کھلے طور پر بشریت سے انکار کر چکے ہیں۔ اسی گروہ کے ہمنوا "راز الہ آبادی" کہتے ہیں۔

تجھے کہہ سکوں بشر میں یہ کہاں مری حقیقت
میں زمیں پہ مر رہا ہوں تیری عرش تک رسائی

بہت برے ہیں وہ لوگ جو حضور ﷺ کی بشریت کے منکر ہیں، خارج از اسلام ہیں، وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں، ہم اہلِ سنت نہ بشریت مصطفیٰ ﷺ کے منکر ہیں اور تمہاری طرح نہ انہیں ایسا بشر کہنے کے قائل جو عجز و نادانی میں دوسروں کے برابر ہو۔ ہمارے نزدیک دونوں مردود جو ان کی بشریت کا منکر ہو، وہ بھی اور جو انہیں اپنے جیسا کہے وہ بھی لیکن معترض بہادر! آپ نے دعوے پر بہ طورِ سند جو شعر پیش کیا ہے اس کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر یہ انکار بشریت ہے تو شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ "تیری بشریت کا اصلاً وجود نہ رہے۔" بدرجۂ اولیٰ انکار ہو گا۔ حالا چہ می گونید علماے ملت دیوبندیہ

آگے پھر جناب نے ماہر القادری کے دو شعر نقل کیے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں

محمد مصطفیٰ کی شان رفعت اور ہی کچھ ہے
بظاہر تو بشر ہیں اور حقیقت اور ہی کچھ ہے
پردۂ میم ہٹ گیا وصل حبیب ہو گیا
نور سے نور جا ملا صل علیٰ محمدٍ

پہلا شعر ہمارے نزدیک بالکل درست ہے اور اقوال علما کا جو ابھی گزرے عین مفاد ہے۔ ہاں! دوسرا شعر البتہ ابہام سے خالی نہیں ضرور خلاف احتیاط ہے، جس سے بچنا ضروری وَاللهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ۔

پھر لکھتے ہیں: "ان لوگوں نے ذاتی و عطائی کی منطق کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو صفاتِ خداوندی کے درجے تک پہنچادیا ہے۔۔۔الخ" معترض بہادر! شروع سے آخر تک یہی الزام طرح طرح سے دہرائے جا رہے ہیں کہ معاذاللہ! رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے نزدیک خدا ہیں اور ہر مرتبہ ناکام ہوئے اور وہ الزام خود اپنے سر لاد چکے ہیں۔ اب کہ نئی صورت میں یہ الزام دیا ہے اور اس مرتبہ بھی عقل کو ہاتھ سے دیا ہے۔ صاحب بہادر! اللہ کی کوئی صفت عطائی نہیں کہ کسی کی دین ہو اس کی ہر صفت ذاتی ہے تو عطائی کو بھی اللہ کی صفت کہنا یہ وہ شرک ہے جس سے تم اپنے زعم میں بھاگے تھے۔ یہ دیکھو وہ تمہارے سر پر آرہا کیونکہ جب اللہ کی صفت بھی عطائی ٹھہری اور عطائی غیر کی دین ہوتا ہے تو لازم ہو کہ اللہ سے اوپر بھی کوئی ہو جس نے اسے صفات بخشیں۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم اور یہ عین شرک اور قاطع توحید ہے۔ ع

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ذاتی اور عطائی کی تقسیم صحیح ہے۔

☆......☆......☆

قارئین کرام توجہ فرمائیں!

ان شاء اللہ معارفِ رضا کا آئندہ شمارہ ماہ جنوری، فروری اور مارچ کا مشترکہ شمارہ ہو گا جو کہ سال نامے کے طور پر امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۱۰ء کے موقع پر شائع ہو گا اور ماہِ فروری کے آخر میں معارفِ رضا کے ممبران کو ارسال کیا جائے گا۔ ساتھ ہی انگریزی معارف کا الگ سال نامہ بھی شائع ہو گا۔ جب کہ اگلا ماہنامہ ماہِ اپریل ۲۰۱۰ء کا ہو گا۔

﴿تعلیقاتِ رضویہ بر فتاوی عالمگیریہ﴾

اس حاشیہ مبارکہ پر کام کیے گئے کام کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(1) کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلا حصہ "عربی" میں جبکہ دوسرا "اردو" زبان میں ہے۔

(2) "فتاوی عالمگیری" سے کتاب السیر کے نویں باب " احکام المرتدین" کو مکمل لے کر اس پر تعلیقاتِ رضا کا اہتمام کیا گیا ہے، تاکہ قاری کی پڑھتے وقت دلچسپی برقرار رہے۔

(3) حتی الامکان عربی میں جدید رسم الخط کا اہتمام کیا گیا ہے، کتابوں کے نام انورٹڈ کوماس " " میں لئے گئے ہیں۔

(4) آیات قرآنیہ کو لکھ کر اس کے بعد ہی اس کی تخریج کی گئی ہے اور امتیاز کیلئے پھول دار بریکٹ ﴿ ﴾ کا اہتمام بھی کیا ہے۔

(5) احادیث کریمہ و آثار وغیرہ کو قوسین (ڈبل بریکٹ) (( )) میں لیا گیا ہے۔

(6) ضرورتاً بعض مقامات پر حوالہ جات کی تخریج، اور چند اصطلاحات کی تعریف بھی کردی گئی ہے۔

(7) جن مقامات پر اعلیحضرت امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا، ان مقامات کی مقولہ نمبرنگ کی گئی ہے۔

(8) بعض مقامات پر موقع مناسبت کے لحاظ سے امام اہلسنت کے دونوں صاحبزادوں حجۃ الاسلام محمد حامد رضا خان اور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خان قادری نوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاوی بطورِ افادہ حاشیہ میں نقل کیے گئے ہے۔

﴿جُمَل مُجلیة أنّ المکروہَ تنزیهاً لیس بمعصیة﴾

مصنف: الإمام أحمد رضا خان رحمه الله تعالی

ترجمہ و تحقیق:

محمد کفیل رضا مدنی (متخصص فی الفقہ الحنفی) — حامد علی علیمی (استاذ جامعہ علیمیہ، کراچی)

ناشر: صدیقی پبلشرز، کراچی

ملنے کا پتا:

- ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
- مکتبہ برکات المدینہ، کراچی
- مکتبۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ کراچی
- مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، کراچی

﴿التعلیق الرضوی علی صحیح البخاری﴾

امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے "بخاری شریف" پر موجود تعلیقات و حواشی کا مجموعہ،
ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب خوبصورت انداز میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آنے والا ہے۔

تحقیق و ترتیب:

محمد کفیل رضا مدنی (متخصص فی الفقہ الحنفی) — حامد علی علیمی (استاذ جامعہ علیمیہ، کراچی)

رضا میڈیکل ضابطۂ اخلاق

تحریر: پروفیسر دلاور خان

ڈاکٹروں کی اکثریت شریف، فرض شناس، دیانتدار اور پیشہ ورانہ قابلیت رکھنے والے ماہرین پر مشتمل ہے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی کسی طرح صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ جو طبی ضابطہ اخلاق کی دھجیاں بکھیرنے پر فخر محسوس کرتے ہوئے جھوٹے سرٹیفیکیٹ، نشہ آور انجکشن کا فروغ، ادویات اور طبی مصنوعات پر زیادہ سے زیادہ کمیشن حاصل کرنے کی تڑپ، سرکاری ہسپتال میں ملازم ہونے کے باوجود زیادہ فیس کے لالچ میں نجی کلینک پر مریض کو علاج کروانے پر مجبور کرنا، ہسپتالوں میں جاں بلب ہے اور طبیب خوش گپیوں میں مصروف، رات کو ڈیوٹی پر حاضر ڈاکٹر نیند کے مزے اڑا رہے ہیں جبکہ پیرا میڈیکل کا عمل حق تک ادا کرنے کے لیے پریشان مریض کی پریشانی میں اضافہ کرنے کے لئے ہر جہت سے طبع آزمائی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ڈاکٹر صاحب / صاحبہ کی نیند میں کہیں ذرا سا خلل نہ پڑ جائے۔

مریض ان کی عدم توجہی سے اس جہان فانی سے کوچ کر جائے کوئی فکر نہیں۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں پیشہ عبادت نہیں تجارت ہے۔ فکر ہے تو فیس کی، چاہے مریض اپنی جان کے تحفظ کے حق سے محروم ہو جائے۔ رٹے رٹائے چند ادویات کے نام وہ بھی مریض سے معلومات حاصل کر کے جلد بازی میں آنکھ بند کر کے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ مریضوں سے ناشائستہ گفتگو، یہ معدودے چند ڈاکٹر حضرات کے وہ بیمار رویے ہیں جن کی بنیاد پر وہ مریضوں کو معاشی، ذہنی، اخلاقی، نفسیاتی اور انسانی صحت سے کھیلنے جیسے جرم کے مرتکب ہو کر مہذب لبادہ میں سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ سوچ اور فلسفہ کی گھناؤنی فکر کے تحت حق صحت، اور حق جان سے محروم کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹرز کے ان بیمار رویوں کی وجہ سے مریضوں اور تیمارداروں کے درمیان ایک نفسیاتی کشمکش جنم لیتی ہے۔ جس کے تحت آئے دن اخبارات میں ڈاکٹروں کو زدوکوب کرنے، ان کے ساتھ اشتعال انگیز سلوک، کلینک کی آتش زدگی اور بعض اوقات اس سے بھی بڑھ کر ڈاکٹروں کے قتل کی خبریں اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔

ایسی ہی کشمکش اور نقصانات سے بچنے کے لیے الشیخ احمد رضا خاں محدث حنفی نے مولانا حکیم عبد العزیز بریلوی کو چار جمادی الآخر ۱۳۰۶ھ ہجری کو ایک میڈیکل ضابطہ اخلاق تحریر فرمایا کہ ایک طبیب کو کیا کیا کرنا چاہیے ایک طبیب کو ایک مریض کے ساتھ کیسا تعلق رکھنا چاہیے۔ ملاحظہ ہو وہ طبی ضابطۂ اخلاق جس میں آپ نے طبیب کو اپنی ذمہ داریوں اور مریض کے حقوق سے یوں روشناس کرایا۔

''برادر عزیز مولانا عبد العزیز سلمہ العزیز عن کل رجیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا خط آیا خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دست شفا بخشے اور جفا و شقا سے محفوظ رکھے۔ برادم! تم طبیب ہو، میں اس فن سے محفوظ۔ مگر وہ دلی محبت، جو مجھے تمہارے

ساتھ ہے، مجبور کرتی ہے کہ چند حرف تمہارے گوش زد کروں۔

(۱) جان برادر۔ مشکل ترین امور ہنگام استخراج احکام جزئیہ میں، جیسے فقہ و طب، جس طرح فقہ میں صدہا حوادث ایسے پیش آتے ہیں جو کتب میں نہیں اور ان میں حکم لگانا ایک سخت و دشوار گزار پہاڑ عبور کرنا ہے۔ جس میں بڑے بڑے ٹھوکریں کھاتے ہیں، بعینہ یہی حال طب کا ہے۔ بلکہ اس سے بھی نازک تر، بالکل بے دیکھی چیز پر حکم کرنا ہے۔ پھر اگر آدمی قابلیت تامہ نہیں رکھتا اور برائے خود کچھ کر بیٹھا، اگرچہ اتفاق سے ٹھیک بھی اتری، گنہ گار ہوگا۔ جس طرح تفسیر قرآن کے بارے میں ارشاد ہوا۔ من قال فی قرآن برائہ فاصاب فقد اخطا جو قرآن میں اپنی رائے سے کہے اور ٹھیک ہی کہے، جب بھی خطا کی۔

یوں ہی حدیث شریف میں فرمایا۔ من تطیب ولم یعلم منہ طب فھو ضامن۔ جو طب کرنے بیٹھا اور اس کی طب کے بارے میں معلومات نہیں پس اس پر تاوان ہے۔ یعنی اس کے علاج سے کوئی بگڑ جائے گا، تو اس کا خون بہا اس کی گردن پر ہوگا۔ گرچہ کسی شفیق نے تمہیں مجاز و ماذون کر دیا۔ مگر میری رائے میں تم ہرگز گز ہنوز مستقل تنہا گوارانہ کرو اور جب تک ممکن ہو۔ مطب دیکھتے اور اصلاحیں لیتے رہو۔ میں نہیں کہتا کہ جداگانہ معالجہ کے لئے نہ بیٹھو۔ بیٹھو، مگر اپنی رائے کو ہرگز رائے نہ سمجھو اور ذرا ذرا میں اساتذہ سے استعانت لو۔

(۲) رائے لینے میں کسی چھوٹے بڑے سے عار نہ کرو۔ کوئی علم (میں) کامل نہیں ہوتا، جب تک آدمی بعد فراغ درس جس دن اپنے آپ کو عالم مستقل جانا، اسی دن اس سے بڑھ کر کوئی جاہل نہیں۔

(۳) کبھی محض تجربہ پر بے تشخیص حادثہ خاص اعتماد نہ کرو۔ اختلاف فصل، اختلاف بلد، اختلاف عمر، اختلاف مزاج، وغیرہا بہت باتوں سے علاج مختلف ہو جاتا ہے۔ ایک نسخہ ایک مریض کے لئے ایک فصل میں صدہا بار مجرب ہو چکا، کچھ ضرور نہیں کہ دوسری فصل میں بھی کام دے۔ بلکہ ممکن کہ ضرور پہنچائے وعلی ھذا اختلاف البلاد والاعمار والامزجہ وغیرھا۔

(۴) مرض کبھی مرکب ہوتا ہے۔ ممکن کہ ایک نسخہ ایک مرض کے لئے تم نے فصولِ مختلفہ، بلاد متعددہ، واعمار متفاوتہ، وامزجہ متبائنہ میں تجربہ کیا اور ہمیشہ ٹھیک اترا۔ مگر وہ مرض ساذج تھا یا کسی ایسے مریض کے ساتھ، جسے یہ مضر نہ تھا، اب جس شخص کو دے رہے ہو، اس میں ایسے مرض سے مرکب ہو، جس کے خلاف تو ضرر دے گا اور وہ تجربہ صد سالہ لغو ہو جائے گا۔

(۵) ابھی ابتدائے امر ہے۔ کبھی بعض دلالات پر مدار تشخیص نہ کہو۔ مثلاً صرف نبض یا مجرد تفسرہ یا محض استماع حال پر قناعت نہ کیا۔ تو کیا ممکن نہیں کہ نبض دیکھ کر ایک بات تمہاری سمجھ میں آئے اور جب قارورہ دیکھو۔ رائے بدل جائے۔ تو بالضرور حتی الامکان بطرف تشخیص کو عمل میں لاؤ اور ہر وقت اپنی علم و فہم و حول و قوت سے بری ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں التجا کرو کہ القائے حق فرمائے۔ یہی مجرب شفا ہوتے ہیں۔

(۶) کبھی کیسے ہی ہلکے سے ہلکے مرض کو آسان نہ سمجھو اور اس کی تشخیص و معالجہ میں سہل انگاری نہ کرو۔

ع دشمن نہ تواں حقیر و بے چارہ شمرد

ہو سکتا ہے کہ تم نے بادی النظر میں سہل سمجھ کر جہد تام نہ کیا اور وہ باعث غلطی تشخیص ہوا۔ جس نے سہل کو دشوار کر دیا۔ یا فی الواقع اسی وقت ایک مرض عسیر تھا اور تم قلت تحقیق سے آسان سمجھ لئے۔ کیا تم نے نہیں

پڑھا کہ دق سا دشوار مرض والعیاذ باللہ تعالیٰ اول اتنا سہل معلوم ہوتا ہے۔

(۷) مریض یا اس کے تیاردار جس قدر حال بیان کرے۔ کبھی اس پر قناعت نہ کرو۔ ان کے بیان میں بہت باتیں رہ جاتی ہیں۔ جنہیں وہ نقصان نہیں سمجھتے یا ان کے خیال اس کی طرف نہیں جاتے۔ ممکن کہ وہ سب بیان میں آئے۔ صورت واقعہ دگر گوں معلوم ہو، میں نے مسائل میں صدہا آزمایا ہے کہ سائل نے تقریراً یا تحریراً جو کچھ بیان کیا۔ اس کا حکم کچھ اور تھا۔ جب تفتیش کر کے تمام مالہ وماعلیہ اس سے پوچھے گئے، اب حکم بدل گیا۔ بہت مواقع پر ہم لوگوں کو رخصت ہے کہ مجرد بیان مسائل پر فتویٰ دے دے۔ مگر طبیب کو ہرگز اجازت نہیں کہ بے تشخیص کامل زبان کھولے۔

(۸) تمام اطباء کو معمول ہے۔ الا من شاء اللہ کہ نسخہ لکھا اور حوالہ کیا، ترکیب استعمال زبان سے ارشاد نہیں ہوتی۔ بہت مریض جہلاء زمانہ ہوتے ہیں کہ آپ کا لکھا ہوا نہ پڑھ سکیں گے۔ طبیب صاحب کو اعتماد یہ ہے کہ عطار بتادے گا۔ عطار کی وہ حالت ہے کہ مزاج نہیں ملتے اور ہجوم مرض سے اس بچارے کے خود حواس گم ہے۔ اس جلدی میں انہوں نے آدھی چہارم بات کہی اور دام سیدھے کئے اور رخصت۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ غلط استعمال سے مریض کو مضرتیں پہنچ گئیں۔ لہٰذا بہت ضروری ہے کہ تمام ترکیبِ دوا و طریقۂ اصلاح و استعمال خوب سمجھا کر سمجھ کر ہر مریض سے بیان کرے۔ خصوصاً جہاں احتمال ہو کہ فرق آنے سے نقصان پہنچ جائے گا۔

!(۹) اکثر اطباء نے کج خلقی و بد زبانی و خر دماغی و بے اعتنائی اپنا شعار کرلی، گویا طب کسی مرض مزمن کا نام ہے، جس نے یوں بد مزاج کرلیا۔ یہ بات طبیب کے لئے دین و دنیا میں زہر ہے۔ دین میں تو ظاہر ہے کہ تکبر و رعونت و تشدد و خشونت کس درجہ مذموم ہے۔ خصوصاً حاجت مند کے ساتھ اور دنیا میں یوں کہ رجوع خلق ان کی طرف کم ہوگی۔ وہی آئیں گے، جو سخت مجبور ہوجائیں گے۔ لہٰذا طبیب پر اہم واجبات سے ہے کہ نیک خلق، شیریں زبان، متواضع، حلیم، مہربان ہو۔ جس کی میٹھی باتیں شربت حیات کا کام کریں۔ طبیب کی مہربانی و شیریں زبانی مریض کا آدھا مرض کھودیتی ہے اور خواہی نخواہی ہر دل عزیز اس کی طرف جھکتے ہیں اور نیک نیت سے ہوتا ہے۔ تو خدا بھی راضی ہوتا ہے۔ جو خاص جالب دست شفاء ہے۔

(۱۰) بہت جاہل اطباء کا انداز ہے کہ نبض دیکھتے ہی مرض کا عسیر العلاج ہونا بیان کرنے لگتے ہیں۔ اگرچہ واقعی میں سہل التدارک ہو۔ مطلب یہ کہ اچھا ہوجائے گا تو ہمارا شکر زیادہ ادا کرے گا اور شہرہ بھی ہوگا کہ ایسے بگڑے کو تندرست کیا۔ حالانکہ یہ محض جہالت ہے۔ بلکہ اگر واقع میں اگر مرض دشوار بھی ہو، تاہم ہرگز اس کی بو آنے نہ پائے کہ یہ سن کر دردمند دل ٹوٹ جاتا ہے اور صدمہ پاکر ضعف طبیعت باعث غلبۂ مرض ہوتا ہے۔ بلکہ ہمیشہ بکشادہ پیشانی تسکین و تسلی کی جائے کہ کوئی بات نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اب آپ اچھے ہوئے۔

(۱۱) بعض احمق ناکردہ کار یہ ظلم کرتے ہیں کہ دوا کو ذریعہ تشخیص مرض بتاتے ہیں۔ یعنی جو مرض اچھی طرح خیال میں نہ آیا۔ انہوں نے رجماً بالغیب ایک نسخہ لکھ دیا کہ اگر نفع کیا تو فبہا۔ ورنہ کچھ حال تو کھلے گا۔ یہ حرام قطعی ہے۔ علاج بعد تشخیص ہونا چاہئے نہ کہ تشخیص بعد علاج۔

اس قسم کی صدہا باتیں ہیں۔ مگر اس قلیل کو کثیر پر حمل کرو اور میں انشاء اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً تمہیں مطلع کرتا رہوں گا۔ بہت باتیں ایسی ہیں، جن کا اس وقت بیان ضرور

نہیں۔ جب خدا نے کیا کہ تمہارا مطب چل نکلا اور رجوع خلائق ہوئی۔ اس وقت ان شاء اللہ العظیم بیان کروں گا۔ اگر تمہیں یہ میری تحریر مقبول ہو، تو اسے بطور دستور العمل اپنے پاس رکھو اور اس کے خلاف کبھی نہ چلو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت نفع پاؤ گے اور اگر یہ سمجھ کر یہ طب سے جاہل ہے۔ اس فن میں اس کی بات پر کیا اعتماد، تو بے شک یہ خیال تمہارا بہت صحیح ہے۔ اس تقریر پر مناسب ہے کہ اپنے اساتذہ کو دکھالو اور وہ پسند کریں۔ معمول یہ کرو۔

والسلام خیر ختام

(فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ)

۴ر جمادی الآخر، روز جمعہ ۱۳۰۶ھ

[ماخوذ از ماہنامہ "الرضا" بریلی شمارہ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ ص۱۹ تا ۲۰ بہ حوالہ کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مرتبہ: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، جلد دوم، صفحات: ۱۴۷ تا ۱۵۱)]"

رضا میڈیکل ضابطہ اخلاق کے اصول:

اس خط میں امام احمد رضا محدث حنفی علیہ الرحمۃ طبیب کے خصوصیات معالج اور مریض کا تعلق طبیب کے فرائض اور ذمہ داریاں انسانی زندگی اور صحت کی اہمیت کے بارے میں طبی نقطہ نظر سے جو رہنمائی فرمائی ہے اس سے درج ذیل میڈیکل ضابطہ اخلاق کے اصولوں کی اس طرح وضاحت ہوتی ہے۔

۱۔ طبیب جفا اور شقا سے محفوظ ہو۔
۲۔ طبیب بطور تجربہ کسی مریض کا علاج مت کرے۔
۳۔ گاہے بگاہے ماہرین اطباء سے پیشہ ورانہ مشاورت و استعانت جاری رکھی جائے۔
۴۔ محض تجربے کی بنیاد پر بغیر تشخیص مرض علاج نہ کیا جائے۔
۵۔ عام اور معمولی مرض کو آسان نہ سمجھا جائے۔
۶۔ تشخیص و معالجے میں سہل انگاری و عدم توجہی سے کام نہ لیا جائے۔
۷۔ صرف اور صرف مریض یا تیمارداروں کی بہم کردہ معلومات پر علاج و ادویات تجویز مت کی جائیں۔
۸۔ طبیب کو ہرگز اجازت نہیں کے بغیر تشخیص کامل کے مرض کے بارے میں اظہار رائے کرے۔
۹۔ مریض کو ترکیب دوا، پرہیز اور طریقۂ استعمال کو خوب اچھی طرح سمجھایا جائے۔
۱۰۔ مریض کے ساتھ
الف: کج خلقی
ب: بدزبانی
ج: خردماغی
د: بے اعتنائی سے گریز کیا جائے۔
۱۱۔ طبیب کی مہربانی اور شیریں زبانی، مریض کا آدھا مرض کھو دیتی ہے۔ اس لئے طبیب پر واجب ہے کہ وہ
الف: نیک خلق
ب: شیریں زبان
ج: متواضع
د: حلیم
ر: مہربان ہو۔
۱۲۔ سرسری تشخیص یا چہرہ و نبض کو دیکھ کر مریض کے علاج کو مشکل قرار نہ دیا جائے۔
۱۳۔ اگر مرض دشوار بھی ہو تو مریض کو اس اطلاعات سے گریز کیا جائے۔ کیونکہ صدمہ پاکر ضعف طبیعت کے باعث مریض پر غلبہ مرض ہو سکتا ہے۔

۱۴۔ مریض کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی سے پیش آیا جائے اور تسلی دی جائے کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ جلد صحت یاب ہو جائے گا۔

۱۵۔ مریض کے علاج سے پہلے کامل تشخیص کی جائے نہ کہ تشخیص بعد علاج کے۔

۱۶۔ سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے سہل علاج کو دشوار قرار نہ دیا جائے۔

۱۷۔ نیک نیت سے علاج کیا جائے، تو خدا بھی راضی ہوتا ہے۔ جو خاص جالب دست شفا ہے۔

۱۸۔ بدمزاجی طبیب کے لئے دین و دنیا میں زہر ہے۔

تجاویز برائے عملی اطلاق:

رضا میڈیکل ضابطہ اخلاق سے بہرہ مند ہونے کے لئے چند تجاویز درج ذیل ہیں:

۱۔ پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل طبی ضابطۂ اخلاق کو میڈیکل تعلیم کا لازمی حصہ قرار دے۔

۲۔ تمام میڈیکل کالجز میں طبی اخلاقیات کی تعلیم کے ماہر اساتذہ مقرر کئے جائیں۔

۳۔ الشیخ احمد رضا محدث حنفی کو بطور ماہر طبی اخلاقیات کے طور پر شامل کیا جائے۔

۴۔ الشیخ احمد رضا محدث کے رضا میڈیکل ضابطہ اخلاق کی روشنی میں طبی اخلاقیات کا نصاب مدون کیا جائے۔

۵۔ میڈیکل ضابطہ اخلاق کی عمل داری کے لیے مانیٹرنگ نظام استوار کیا جائے۔

۶۔ میڈیکل ضابطہ اخلاق پر تحقیقی مقالہ جات تحریر کئے جائیں۔

۷۔ میڈیکل ضابطہ اخلاق کی میڈیا کے ذریعہ تشہیر کی جائے۔

۸۔ میڈیکل ضابطہ اخلاق سے متعلق سیمینار اور کانفرنس کا انعقاد کیا جائے۔

۹۔ میڈیکل ضابطہ اخلاق سے متعلق کتب تحریر کی جائیں۔

۱۰۔ میڈیکل ضابطہ اخلاق کی پیروی کرنے والے ڈاکٹر حضرات کو سرکاری سطح پر مراعات دی جائیں۔

۱۱۔ میڈیکل ضابطہ اخلاق سے انحراف کرنے والے ڈاکٹروں کا احتساب کیا جائے۔

نتائج:

امام احمد رضا محدث حنفی کے میڈیکل ضابطہ اخلاق پر عمل درآمد سے درج ذیل نتائج و فوائد حاصل ہو سکیں گے۔

۱۔ ڈاکٹروں کی نیک نامی میں اضافہ ہوگا۔

۲۔ ڈاکٹروں کی نیک نامی سے زیادہ سے زیادہ مریض کامیاب علاج کی غرض سے ان کی طرف رجوع کریں گے۔

۳۔ ڈاکٹر اور مریض میں خوشگوار تعلقات قائم ہوں گے۔

۴۔ طبی ضابطہ اخلاق سے انحراف کرنے والے ڈاکٹروں کی حوصلہ شکنی ہو سکے گی۔

۵۔ مریض ذہنی، معاشی استحصال سے محفوظ رہ سکیں گے۔

۶۔ ڈاکٹر حضرات تیمارداروں کے جارحانہ تشدد سے بچ سکیں گے۔

دعائے صحت کی اپیل

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی کے معاونِ خاص محترم جناب وسیم سہروردی صاحب کی اہلیۂ محترمہ گذشتہ چند دنوں سے علیل ہیں۔ قارئینِ کرام سے اُن کی صحت یابی کے لیے دُعا کی درخواست ہے۔

حضرت غزالیِ زماں کا منفرد طرزِ استدلال

تحریر: ظفر محمود قریشی (واہ کینٹ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کی طرح ہیں۔ یعنی اُمتِ محمدیہ میں ایسے نادرِ روزگار علما پیدا ہوں گے جن کا کردار، جن کی گفتار، جن کا علم وعمل، تقوی و پرہیزگاری اپنی مثال آپ ہوگی جو حقیقت میں وارثِ مسندِ انبیا ہوں گے۔ جن کا سونا، جاگنا، اُٹھنا، بیٹھنا، بات کرنا فقط اطاعتِ خداوندی میں ہوگا۔ جن کے دن علوم ومعارف کے خزانے لٹانے میں گزریں گے تو رات خالقِ کائنات کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگی۔ صبحِ قیامت تک جن کے نام کا ڈنکا بجتا رہے گا۔ ملائکہ جن کے راستے میں اپنے پر بچھائیں گے۔ حورانِ بہشت جن کے نعلین کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائیں گی۔ ایک زمانہ جن کی عظمتوں کے گن گائے گا۔ حاملانِ عرش جن کی قسمت پر ناز کریں گے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ایسے ہی خرقہ پوشوں میں غزالیِ زماں، رازیِ دوراں، امام الاتقیا، حاملِ علمِ لدنی، فخر الاسلام شیخ الحدیث حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ ستودہ صفات بھی ہے۔ جنھوں نے اپنی ساری زندگی اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ قرآن وحدیث کی خدمت میں گزار دی۔ اللہ کریم نے آپ کو بے پناہ عظمتوں سے نوازا تھا۔

آپ بہ یک وقت بہترین مدرس بلند پایہ خطیب اور مایہ ناز مصنف اور سیاسی و مذہبی رہنما تھے۔ عام طور پر یہ تمام خوبیاں کسی ایک شخصیت میں کم ہی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے حضرت غزالیِ زماں رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی ہے یا جن شائقینِ علم وادب نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ غزالیِ زماں علیہ الرحمہ جیسی روحانی ووجدانی شخصیت صدیوں بعد ہی اس دھرتی پر جنم لیتی ہے۔ اللہ کریم عزوجل نے آپ کو علوم ومعارف کا ایک ایسا سمندر عطا فرمایا تھا جس میں ہزار ہا تشنگانِ علم نے غوطہ زنی کی اور اپنی علمی وروحانی پیاس بجھائی۔

آپ نے تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد مختلف مدارسِ اسلامیہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ آپ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں ۹ سال تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے اور علمِ حدیث کے متوالوں کو سیراب کرتے رہے پھر ملتان شریف میں جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم کے نام سے ایک عظیم ادارہ قائم فرمایا اور یہاں درس وتدریس کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا دور دراز سے لوگ آپ کے پاس علومِ دینیہ کی تحصیل کرنے کے لیے آتے۔ یہاں تک کے مخالفین کو بھی آپ کی محدثانہ شان اور علمی جلالت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ جب روز بہ روز آپ کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا تو ہر دور کی طرح اس دور میں بھی حاسدین نے اپنا کام شروع کر دیا اور مخالفتوں کا ایک نہ تھمنے والا طوفان شروع ہو گیا لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ ہوئی اور آپ اپنا کام تن دہی سے سرانجام دیتے رہے۔ حضرت شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''میدانِ خطابت وتصنیف میں ان کے زورِ بیان، قوتِ استدلال اور دلائل کی فراوانی کے آگے اہلِ باطل کے دل سینوں میں بیٹھ جاتے۔ یوں دکھائی دیتا کہ مخالفین کی تمام کاوشیں ایک سیلِ بے پناہ کے آگے خس وخاشاک کی طرح بہتی چلی جارہی ہیں۔ یہی سبب تھا کہ مخالفین نے آپ کا راستہ روکنے کی بارہا کوششیں کیں، مخالفتوں کے طوفان اٹھائے یہاں تک کہ آپ پر قاتلانہ حملے کرائے گئے مگر آپ کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی اور آپ کا ہر قدم منزل کی طرف آگے ہی آگے بڑھتا رہا اور ایک وہ وقت آیا کہ سید کاظمی شہر اولیا ملتان کی آبرو تھے''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جب قرآنِ پاک کی تفسیر کا درس دینا

شروع کیا تو صرف بسم اللہ کی تفسیر بیان کرنے میں چھ ماہ لگ گئے اور اسی طرح پورے قرآنِ کریم کا درس ختم کرنے میں اٹھارہ سال کا طویل سفر طے کیا۔ درس و تدریس کے علاوہ مختلف مذہبی، ملی و سیاسی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا اور ملتِ اسلامیہ کی بروقت صحیح رہنمائی فرمائی۔ آپ نہ صرف تحریکِ پاکستان کے سرگرم رکن تھے بلکہ پاکستان بننے کے بعد تحریک نفاذِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ، تحریکِ ختمِ نبوت، تحریکِ آزادیٔ کشمیر وغیرہ میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت غزالیِ زماں ایک مدرس و مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامل شیخِ طریقت بھی تھے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ''میں بہت عرصے تک کسی کامل پیر کی تلاش میں سرگرداں رہا پھر ایک مرتبہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر حاضری کا شرف حاصل کیا اور خصوصی دعا کی کہ یا اللہ مجھے کسی کامل شیخِ طریقت تک پہنچا دے دربار شریف کی حاضری اور دعا سے فراغت کے بعد جب واپسی کے لیے میں دربار شریف کے مین گیٹ پر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت کاظمی شاہ صاحب اندر داخل ہو رہے ہیں مجھے دیکھ کر بڑی محبت کے ساتھ ملے اور فرمایا حاجی صاحب آپ کسی کامل شیخِ طریقت کی تلاش میں ہیں۔ میں حضرت کے یہ الفاظ سن کر حیران ہو گیا اور اس ملاقات کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور حضور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی فیضان سمجھتے ہوئے حضرت غزالیِ زماں علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حاجی صاحب آپ پر یہ لازم ہے کہ آپ پاکستان میں جہاں کہیں بھی ہوں حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ کے عرسِ مبارک پر ضرور حاضری دیجیے گا اور کبھی ناغہ نہ کیجیے گا''۔

حضرت غزالیِ زماں کے علمی مقام پر بات کرنا مجھ جیسے کم علم کے بس کی بات نہیں لیکن کیوں کہ میرا موضوع آپ کا طرزِ استدلال ہے اس لیے اس ضمن میں چند واقعات عرض کرنا چاہتا ہوں جن سے یہ ظاہر ہوگا کہ آپ پر اللہ کریم کا کتنا فضل تھا۔ حضرت غزالیِ زماں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مدینۂ طیبہ کے ایک قاضی نے مجھ سے کہا کہ آپ روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت بیت اللہ شریف کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوتے ہیں کیا آپ قبرِ رسول کو کعبے سے افضل مانتے ہیں؟ میں نے کہا صرف کعبہ ہی نہیں بلکہ عرشِ اعظم سے بھی افضل مانتا ہوں اُس نے دلیل طلب کی تو فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عبدِ شکور ہیں اور چوتھے آسمان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور شکر میں مصروف ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اگر تم شکر بجالاؤ تو میں ضرور نعمتوں میں اضافہ کردوں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مراتب میں ترقی یہ ہونی چاہیے تھی کہ شکر الٰہی کی بدولت عرشِ الٰہی پر پہنچا دیا جاتا حالاں کہ وہ قیامت کے قریب زمین پر تشریف لائیں گے اور نبی اکرم ﷺ کے جوار میں محوِ استراحت ہوں گے۔ ثابت ہوا کہ روضہ مقدسہ آسمانوں بلکہ عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔ یہ استدلال سن کر قاضی دم بہ خودرہ ہو گیا۔

حضرت غزالیِ زماں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے بچپن میں لاہور میں حزب الاحناف اہلِ سنّت کا عظیم الشان علمی مرکز تھا جس میں پانچ روزہ جلسہ ہوا کرتا تھا میری عمر سولہ سترہ سال ہوگی نیا نیا فارغ التحصیل ہو کر آیا تھا۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے بھی اس جلسے سے خطاب کرنے کا موقع ملا۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۹۲۹ء کا ہے جب ابھی تقسیمِ برِ صغیر عمل میں نہیں آئی تھی جلسہ گاہ کے قرب و جوار میں ہندو اور سکھ بھی رہتے تھے میں تقریر کر رہا تھا تو میری تقریر کے دوران ایک پرچی آئی اس میں لکھا تھا کہ مولانا صاحب میں ایک ہندو لڑکی ہوں اور بی اے میں پڑھتی ہوں میرا گھر آپ کے جلسہ گاہ کے بالکل ساتھ ہے اس لیے کئی دن سے میں آپ کے جلسے میں ہونے والی تقاریر سن رہی ہوں آج آپ کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں کسی صفت اور کسی خوبی میں آپ کے نبی ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوسکتا جب کہ کل اسی اسٹیج پر ایک مولانا صاحب نے حاتم طائی کی سخاوت کا ایک واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ حاتم طائی اتنا بڑا سخی تھا کہ اس نے لوگوں میں مال و دولت تقسیم کرنے کے لیے ایک محل بنوایا جس کے سات دروازے تھے جو سائل

جس دروازے سے آتا حاتم اسے خیرات دے دیتا وہ دوبارہ دوسرے دروازے سے آتا حاتم پھر اسے خیرات دیتا تیسرے اور چوتھے حتیٰ کہ وہی سائل ساتوں دروازوں سے آتا اور ساتوں مرتبہ ہی اسے خیرات مل جاتی اور حاتم کی زبان پر یہ الفاظ نہیں آتے تھے کہ تم پہلے کتنی دفعہ آچکے ہو اب بار بار کیوں چلے آتے ہو اور وہ سائل پھر پہلے دروازے پر مانگنے چلا جاتا ہے حاتم کے ماتھے پر تب بھی شکن نہ پڑتی اور اس نے دستِ سخاوت پھر بھی نہ کھینچا۔ واقعہ تاریخی اعتبار سے صحیح ہے یا غلط اس پر بحث مقصود نہیں وہ اس لیے کہ یہ آپ کے اسٹیج سے آپ کے اپنے عالمِ دین نے بیان کیا ہے اس لیے اس کو صحیح ماننا پڑے گا اب آپ یہ بتائیں کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ کسی مخلوق میں کوئی آپ کے نبی ﷺ سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا اگر یہ بات درست ہے تو پھر آپ حاتم طائی کی اس سخاوت کے واقعے سے بڑھ کر اپنے نبی ﷺ کی سخاوت کا کوئی واقعہ بیان کریں ورنہ تسلیم کریں کہ حاتم طائی آپ کے نبی ﷺ سے بھی بڑھ کر سخی تھا۔

میں نے کہا کہ حاتم طائی کے واقعے سے اگر کوئی یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ وہ بے حد سخی تھا اور بڑا دیالو تھا تو وہ اس کی کم فہمی ہے اس واقعے سے تو اس کی کنجوسی اور کم ہمتی ثابت ہوتی ہے ایک سائل آتا ہے سوال کرتا ہے حاتم اسے دیتا ہے لیکن سائل کی جھولی نہیں بھرتی یعنی سائل کی مراد پوری نہیں ہوتی اس کی طلب ختم نہیں ہوتی وہ دوبارہ جھولی پھیلاتا ہے حاتم اسے پھر کچھ دیتا ہے لیکن اب بھی اس نے اتنا کم دیا ہے کہ سائل دوبارہ سوال کرنے پر مجبور ہے حاتم بار بار دیتا ہے سائل کی طلب باقی رہتی ہے وہ بار بار لوٹ کر آتا ہے یہ کیسی سخاوت ہے درحقیقت یہ تو کنجوسی ہوئی۔ اگر سخاوت دیکھنا ہے تو آؤ میرے آقا ﷺ کی سخاوت دیکھو تہجد کا وقت ہے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے جاں نثار صحابی سرکارِ دوعالم ﷺ کو وضو کروا رہے ہیں سرکار ﷺ ان کی خدمت پر خوش ہوتے ہیں دریائے رحمت جوش میں آتا ہے سرکارِ دوعالم ﷺ فرماتے ہیں سَلْ رَبِیْعَہ اے ربیعہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ حضرت ربیعہ عرض کرتے ہیں اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ میں جنت میں آپ ﷺ سے آپ کی رفاقت طلب کرتا ہوں۔ سرکار فرماتے ہیں یہ تو ہم نے تمہیں عطا کر دیا تیرا سوال پورا ہوا اس کے علاوہ کوئی اور طلب ہو تو مانگ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں ھٰکَذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ میرے لیے سب کچھ ہیں۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

یا رسول اللہ ﷺ جب آپ مل گئے تو اور کیا چاہیے سرکار فرماتے ہیں **او غیر ذالک ربیعہ** اے ربیعہ کچھ اور مانگ لے۔ یا رسول اللہ ﷺ بس یہی کافی ہے دامنِ طلب میں اب بھلا کس شے کی کمی ہے ذرا دیکھو اُس کی طرف وہ سائل ہے جو بار بار آتا ہے اور حاتم سے سوال کرتا ہے ایک یہ داتا ہیں جو سائل سے بار بار کہتے ہیں کہ کچھ مانگ لو تو اب تم خود فیصلہ کرو کہ کون زیادہ سخی ہے؟۔ یہ جواب سن کر وہ ہندو لڑکی مسلمان ہوگئی اور اسٹیج پر موجود علما حیران و ششدر رہ گئے کہ اتنا مکمل جواب اس نوجوان نے دیدیا۔

صاحبزادہ سعید حامد سعید کاظمی (وفاقی وزیر برائے مذہبی امور) مدظلہ العالی فرماتے ہیں میں نے یہ واقعہ خود اباجی (غزالیِ زماں) قبلہ کی زبانی سنا فرمایا دورانِ تقریر ایک پرچہ آیا جس میں عورت کے پردے کے بارے میں سوال تھا اور ضمناً یہ بھی ذکر تھا کہ علامہ اقبال اس بارے میں ذرا روشن خیال واقع ہوئے ہیں اور عورتوں کے لیے پردہ لازمی خیال نہیں کرتے میں نے پرچہ پڑھ کر لوگوں کو بتایا کہ سوال کرنے والے نے پوچھا ہے کہ عورت کے لیے پردہ کی شرعی حیثیت کیا ہے بات دراصل یہ ہے کہ فقہ کا ایک مسئلہ ہے کہ "سترِ عورت فرض ہے" کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے جسم میں کچھ حصہ وہ ہے جس کا چھپانا فرض ہے اگر اس حصے کو نہ ڈھانپا جائے تو نماز نہیں ہوتی مرد کے جسم کا جو حصہ سترِ عورت کہلاتا ہے اسکو ڈھانپنا فرض ہے تو جو مجسم عورت ہو اس کو چھپانا فرض ہوگا یا نہیں؟ اور ایک بات سمجھتے چلو اگر کوئی شخص اپنی عورت یعنی اپنی بیوی کو چھپانا اور پردہ کروانا ضروری خیال

نہیں کرتا اور سمجھتا ہے کہ پردہ غیر ضروری چیز ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی سے پہلے اپنی عورت یعنی اپنے جسم کا وہ حصہ جسے عورت کہتے ہیں اسے بے حجاب (بے پردہ) کرے۔ اباجی قبلہ نے فرمایا جب میں نے اس مسئلے کو یوں بیان کیا تو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کھل کر مسکرائے اور مجھے داد دی اور تقریب کے اختتام پر مجھے تھپکی دیتے ہوئے کہا ''برخوردار لگتا ہے بہت نام پیدا کرو گے''۔

حضرت غزالیِ زماں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ خیبر میں صہبا کے مقام پر سیدِ دو عالم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سرِ مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور حضور ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ سورج غروب ہو گیا اور حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے ابھی عصر کی نماز نہ پڑھی تھی۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا اے پیارے علی کیا! ابھی نماز نہیں پڑھی حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا نہیں تو رسولِ خدا ﷺ نے دعا کی یا اللہ! پیارے علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے لہٰذا سورج کو واپس لوٹا دے۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے سورج کو دیکھا کہ سورج غروب ہو چکا تھا پھر سورج واپس آیا زمین اور پہاڑوں پر دھوپ چمکی۔

کسی نے مجھ سے کہا کہ بھئی تم نے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ ﷺ سے بھی بڑھا دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک نماز قضا ہوئی تو حضور ﷺ نے سورج واپس کر دیا مگر خود حضور ﷺ کی نماز قضا ہو گئی تو سورج واپس نہیں آیا کیوں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر حضور ﷺ کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں تو حضور ﷺ کی قضا نماز کے لیے سورج واپس نہیں آیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک نماز قضا ہو گئی تو سورج واپس آ گیا بھئی یہ کیا بات ہوئی تم نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم ﷺ سے بڑھا دیا۔

میں نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے کیوں کہ غلاموں کا جو کمال ہوتا ہے وہ غلاموں کا نہیں ہوتا بلکہ آقاؤں کا ہوتا ہے مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ غلام ہیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے، اُن کی قضا نماز کے لیے سورج کا واپس آنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کمال نہیں بلکہ آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا کمال ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضور ﷺ کی قضا نماز کے لیے سورج واپس کیوں نہیں آیا؟ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام قیامت تک آنے والے مومنوں کے لیے اسوۂ حسنہ حضور ﷺ ہیں قرآن کہتا ہے! لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ۲۱ سورۃ الاحزاب) اگر حضور ﷺ کی قضا نماز کے لیے ڈوبا ہوا سورج واپس آ جاتا تو قیامت تک کے مسلمانوں کی قضا نماز کے لیے سورج واپس آتا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہوتا۔

راقم نے اس مختصر سے مقالے میں حضرت غزالیِ زماں کے علمی اور روحانی پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ مجھے اپنی کم علمی کا پورا پورا احساس ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت غزالیِ زماں جیسی ہمہ جہت شخصیت کو بھرپور انداز میں عوام الناس کے سامنے لایا جائے بالخصوص نوجوان نسل کو ایسے نابغۂ روزگار کی زندگی کے ہر پہلو سے روشناس کرانا ضروری ہے تا کہ الحاد و بے دینی کی فضا جو مملکتِ خداداد پاکستان میں اپنے پنجے مضبوط کر رہی ہے سے اپنی قوم کو بچایا جا سکے۔ میں نہایت ہی شکر گزار ہوں فاضل نوجوان جناب محمد جمیل الرحمٰن سعیدی صاحب کا جو حضرت غزالیِ زماں علیہ الرحمہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ایک ضخیم کتاب ترتیب دے رہے ہیں جو کم و بیش ۴ جلدوں پر مشتمل ہو گی اللہ کریم آپ کی مساعیِ جمیلہ کو قبول فرمائے۔ **آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ واصحابہ وبارک وسلم!**

مآخذ

۱) نور نور چہرے (تذکرہ ابرارِ ملت) از مولانا عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ
۲) حیاتِ غزالیِ زماں از حافظ محمد امانت علی سعیدی
۳) مقالاتِ سعیدی از علامہ غلام رسول سعیدی
۴) (سہ ماہی) افکارِ رضا ممبئی انڈیا جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء

معارف کتب

تعارف و تبصرہ

تبصرہ نگار: ندیم احمد ندیم قادری نورانی

کتاب کا نام: فقرِ شرف

مصنف: ڈاکٹر محمد یونس قادری

تاریخ اشاعت: بروز جمعۃ المبارک یکم ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ/۲۲ دسمبر ۲۰۰۶ء

ناشر: مکتبۃ الحق، کراچی۔

صفحات: ۱۲۶

قیمت: درج نہیں

خط و کتابت کا پتا: ۴۔اے، صوفی منزل امام باڑہ اسٹریٹ، ڈاکٹر داؤد پوتہ روڈ، صدر ٹاؤن، کراچی۔ پوسٹ (74400)

موبائل: 0346-2395535

ای میل: drmyounusqadri@gmail.com

زیرِ تبصرہ کتاب ''فقرِ شرف'' محترم ڈاکٹر محمد یونس قادری صاحب زید مجدہ کی ایک مفید اور معلومات افزا کاوش ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے پیرومرشد عالمِ باعمل صوفیِ باصفا حضرت پیر الحاج شیخ محمد شرف الدین نقشبندی قادری چشتی قلندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوانح حیات، کرامات اور ان کے ایمان افروز اقوالِ زرّیں بیان فرمائے ہیں۔ حضرت پیر محمد شرف الدین نقشبندی علیہ الرحمۃ کی ولادت ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ بہ مطابق ۴ مارچ ۱۹۱۳ء کو محلہ لنگر حوض نزد قلعہ گول کنڈہ، حیدر آباد، دکن میں ہوئی اور وصال ۲۹ شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ بہ مطابق ۱۱ اپریل ۱۹۹۴ء بروز پیر بہ وقتِ اذانِ فجر کراچی میں ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک بہ مقام: احاطۂ حضرت سید علی سرمست (علیہ الرحمۃ)، ماڑی پور روڈ، کراچی میں واقع ہے جہاں ہر سال ۲۷ تا ۲۹ شوال المکرم کو آپ کا عرسِ مبارک منعقد کیا جاتا ہے۔

اس کتاب میں آپ کے معاصرینِ کرام کا تذکرہ بھی بڑے مختصر اور جامع انداز میں کیا گیا ہے جن میں قائدِ ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی، حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری، علامہ پیر سید طاہر علاء الدین الجیلانی البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم، علامہ محمد جمیل احمد نعیمی، علامہ سید شاہ تراب الحق قادری اور مفتی ابوسراج محمد طفیل احمد ٹھٹھوی دامت برکاتہم العالیہ وغیرہ جیسی عظیم علمی وعملی وروحانی شخصیات شامل ہیں۔ کتاب میں مقاماتِ اولیا غوث وقطب وغیرہ کو بھی بڑے احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ استاذ العلما علامہ جمیل احمد نعیمی صاحب مدظلہ العالی کے پیش لفظ اور علامہ سید شاہ تراب الحق قادری صاحب مدظلہ العالی اور مفتی محمد طفیل احمد ٹھٹھوی مدظلہ العالی وغیرہ حضرات کی تقاریظ نے اس کتاب کے حسن کو مزید چار چاند لگا دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر محمد یونس قادری صاحب کی اس تصنیف کو ان کی دیگر تصانیف کی طرح مقبولیت عطا فرمائے اور عوام وخواص اہلِ سنت کو اس سے بھرپور استفادے کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

☆×☆☆×☆☆×☆☆×☆☆×☆☆×☆☆×☆☆

معارفِ کتب

عرفانِ توحید اور فکرِ رضا

﴿تبصرہ نگار: پروفیسر دلاور خان﴾
(پرنسپل، جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ملیر، کراچی)

کتاب ------عقیدۂ توحید کے تحفظ میں
مولانا احمد رضا کی خدمات
مرتب ------حافظ محمد سعد اللہ
قیمت ------دعائے خیر بحق جملہ معاونین
ناشر ------حجاز پبلی کیشنز C/8
دربار مارکیٹ لاہور۔
باہتمام ------محمد اسلم شہزاد
(ڈائریکٹر حجاز پبلی کیشنز)

عالمی صورتحال میں جنگ و جدل، خوف و ہراس، فتنہ وفساد، ظلم واستحصال نے امن وعالم کو تباہ کر کے وجودِ انسانی کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ یہ بے راہ روی و بے چینی محض اس لیے ہے کہ عالم انسانیت اپنے محور حقیقی یعنی ذات الٰہی سے بہت دور جا چکی ہے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ عقیدہ توحید انسان کے فکر و عمل کی تہذیب و توازن اور مرکزیت جیسی صفات و خصوصیات کو پروان چڑھاتا ہے۔ یہی اس کی شاہراہ زندگی کی سمت کا تعین کرتا ہے، اسے صحیح سمت کی طرف گامزن کرنے کی قوت و تحریک کا سبب بنتا ہے، علاوہ ازیں عقیدۂ توحید کے بغیر نہ تو انسان اور کائنات اور نہ ہی فرد و ملت کے درمیاں ربط و تعلق قائم کرنے کی اقدار متعین ہو سکتی ہیں اور نہ ہی حضرت انسان مادی وروحانی، دنیاوی واخروی زندگی میں ہم آہنگی پیدا کر سکتا ہے۔ اس عقیدہ کی وحدت و مرکزیت اجتماعی اور انفرادی زندگی کو تشخص اور شناخت عطا کرتی ہے۔ اسی کی بدولت وہ مظاہر فطرت اور انسانوں کی غلامی سے آزاد ہو کر اپنے معبود حقیقی کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے۔

عصر حاضر کے ہر درد کے درماں کا علاج عقیدہ توحید کی اس تعبیر میں مضمر ہے جو مصطفیٰ کریم ﷺ کی محبت اور غلامی سے ماخوذ ہو۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اجتماعی زندگی کے سیاسی، سماجی، معاشرتی، معاشی، علمی، اخلاقی، روحانی اور دیگر پہلوؤں کو عقیدہ توحید کی قوت اور حب رسول ﷺ کی حلاوت سے مزین کیا جائے۔ اور اس بین حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خدا پرستی اور غلامی رسول ﷺ سے عاری نظام زندگی سے عالم گیر کا غلبہ

اسلام کا تصور عملی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

مفکر اسلام احمد رضا محدث حنفی اس حقیقت سے اچھی طرح آشنا تھے کہ اگر مسلمانوں میں عقیدہ توحید کی حدت ماند پڑ گئی تو مسلمانوں کا وجود خاک کے ڈھیر میں تبدیل ہو جائیگا۔ اسی کے ساتھ ساتھ عرفان توحید سے سرشار ہو کر آپ نے ایسے عناصر کا بھرپور تعاقب کیا جنھوں نے توحید کی آڑ میں تنقیص رسالت اور اولیائے امت کی بے ادبی و گستاخی کی۔ آپ نے بطور ماہر الٰہیات تقاضۂ توحید ،فروغِ توحید، تحفظِ توحید، کمالاتِ توحید، ذرائع معرفتِ توحید، ثبوتِ توحید، توحیدِ شیطانی، توحیدِ ملکوتی ،ردِ منکرینِ توحید ، اقسامِ توحید ، آدابِ توحید، تقدیسِ توحید، شعورِ توحید کو کنزالایمان ، فتاویٰ رضویہ ، حدائقِ بخشش، مکتوباتِ رضا، ملفوظاتِ رضا، تعلیقاتِ رضا، حواشی رضا، رسائلِ رضا میں اس طرح سمو دیا کہ معرفتِ الٰہی کی جلوہ نمائی جہانِ رضا میں اپنی آب و تاب کے ساتھ ہر سو دکھائی دیتی اور اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رضا کے عرفان توحید میں کس قدر وسعت پائی جاتی ہے اور جس پر توحیدی فکر رضا کی نگارشات و تحقیقات شاہد ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد اسی عارف توحید کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں :

"احمد رضا موحد تھا۔ اس کے خیال میں توحید یہ نہیں تھی کہ محبوبانِ خدا سے پیٹھ پھیر کر اللہ کے آگے سر نیاز خم کیا جائے اس کے نزدیک مقامِ محبوبیت میں محبوبانِ خدا غیر نہیں ابلیس اس نکتہ کو نہ سمجھا اور مارا گیا۔۔۔ احمد رضا کے خیال میں توحید یہ ہے کہ محبوبان خدا کی محبتوں اور عظمتوں سے دل کو آباد کر کے پھر اللہ کے آگے جھکا جائے کہ ویران دل جھکنے کے قابل ہی نہیں۔۔۔ احمد رضا کے فکر و شعور پر اللہ چھایا ہوا تھا وہ فکر و حیات کے ہر گوشے میں اللہ کی جلوہ گری دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے خیال میں اور اللہ تعالیٰ کی یاد نے اسے ایسا مخلص بنا دیا تھا کہ اس کے اخلاص کو دیکھ کر انبیاء علیہم السلام کا اخلاص یاد آتا تھا۔" (اجالا ص ۱۳۔۱۴)

زیرِ تبصرہ مقالے کے مصنف حافظ محمد سعد اللہ سعد صاحب ایک منجھے ہوئے مقالہ نگار ہیں جو تحقیقی مقالہ نگاری کے فن کو برتنے کا اچھا ڈھپ جانتے ہیں۔ آپ صدارتی ایوارڈ یافتہ سیرت نگار ہیں، اس سے پہلے بھی کئی علمی و تحقیقی کتب تحریر کر کے اہل علم سے داد و تحسین وصول کر چکے ہیں۔ آپ کی تحریر میں سنجیدگی اور مقصدیت اتم درجے پر پائی جاتی ہے آپ خود بھی ایک صالح اور عالم با عمل ہیں اور ایک صالح معاشرے کے قیام کے لئے آپ تحریری میدان میں مصروف عمل ہیں۔

مقالہ نگار اپنے ممدوح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"اتنی کثیر تعداد میں اتنے مختلف النوع اور متضاد قسم کے علوم و فنون عام طور پر کسی ایک آدمی میں جمع نہیں ہوتے۔ تاہم اللہ تعالیٰ خرق عادت کے طور پر اور اپنی غیر محدود قدرت کے اظہار کے لیے بعض اوقات دنیا بھر کی خوبیاں اور کمالات کسی عبقری اور نابغہ روزگار میں جمع کر

بھی دیتا ہے، لگتا ہے کچھ ایسا ہی رحمت کا معاملہ اللہ کریم نے ہمارے ممدوح اعلیٰ حضرت کے ساتھ فرمایا ہے۔"

مذکورہ مقالے کی وجہ تحقیق فاضل مقالہ نگار یوں تحریر فرماتے ہیں:

"فاضل بریلوی کی ان کثیر الجہت علمی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر خصوصا ان کے فقہی مرتبہ و مقام اور فتاوی رضویہ کی شکل میں ان کی عظیم یادگار بلکہ شاہکار فقہی خدمت پر پاک و ہند کے متعدد محققین، قلم کاروں تجزیہ نگاروں اور عقیدت مندوں نے اپنے اپنے انداز میں روشنی ڈالی ہے مگر موصوف کی گوناں گوں علمی خدمات کے ایک انتہائی اہم پہلو پر بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر توجہ دی گئی ہے یہ اہم پہلو ہے "عقیدۂ توحید کے تحفظ میں مولانا احمد رضا خان کی خدمات"۔۔۔ اس ایمان افروز اور قابل تحقیق عنوان کا تعین تو ایک پی ایچ ڈی کے مجوزہ اور تفصیلی خاکہ کے ایک باب کے طور پر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے ترجمان ماہنامہ "معارف رضا" (شمارہ ستمبر تا نومبر ۲۰۰۸ء) میں محترم پروفیسر دلاور خان صاحب نے کیا ہے۔ البتہ راقم نے آئندہ سطور میں اس پر اعلیٰ حضرت کی تالیفات اور تعلیمات سے کچھ چیزیں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

حافظ صاحب مقالے کے ماحاصل یوں مرتب کرتے ہیں:

"علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت کی تصنیفات ملفوظات اور تحریرات میں یہ چیز بھی نظر آتی ہے آپ نے ہر ایک بات میں عقیدہ توحید کا پاس کیا ہے، جہاں کوئی ایسا کلمہ، کوئی بات، کوئی لفظ سامنے آیا جس سے عقیدۂ توحید پر زد پڑتی ہو یا جس سے تقدیس و عظمت و ادب الٰہی میں فرق آتا ہو، اس کی نشاندہی اور اصلاح فرماتے ہیں۔"

حافظ صاحب نے توحیدی فکر رضا کے فروغ اور رہ نمائی کے لئے ایک عمدہ کوشش کی ہے یہ موضوع رضویات کے سلسلے میں ایک مفید اور قیمتی اضافہ ہے آپ نے اس موضوع کے ۲۰ ذیلی عنوانات کو توحیدی نگارشات رضا کے شہ پاروں سے مزین کیا ہے آپ نے ثانوی ماٰخذ کے بجائے مستند بنیادی ماٰخذ سے استفادہ کیا ہے جسے اہل تحقیق یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

دور حاضر میں اس مقالے کی معیاری نشر و اشاعت کی سعادت حجاز پبلی کیشنز کے ڈائریکٹر ممتاز نوجوان مذہبی ریسرچ اسکالر علامہ محمد اسلم شہزاد صاحب کے حصے میں آ رہی ہے جو خود بھی صاحب علم اور صاحب علم کے قدر دان ہیں۔ آپ فروغ علم میں ہر دم مصروف عمل دکھائی دیتے ہیں۔ اس خوبصورت اشاعت پر فاضل مقالہ نگار اور ناشر یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظ سعد اللہ اور علامہ اسلم شہزاد مدظلہما کے رضویات سے متعلق علمی و تحقیقی ذوق وشوق میں مزید اضافہ فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

دور و نزدیک سے

﴿ترتیب و پیش کش: مرزا فرقان احمد﴾

﴿علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب، مدیرِ اعلیٰ "جہانِ رضا" لاہور﴾

محترم المقام سیدی صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب

صدرِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

نومبر ۲۰۰۹ء کا "معارفِ رضا" موصول ہوا۔ رضویات کے حوالے سے بہت عمدہ پایا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے اس میں اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت کے رسائل کو از سرِ نو شائع کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ فروغِ رضویات میں آپ کی کاوشیں قابلِ ستائش ہیں۔ آپ کے رفیقِ کار پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے بھی "آدابِ سفرِ حج۔ فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں" کے عنوان سے بڑا عمدہ اور مفید مضمون قلم بند کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں اس کے لیے جزائے خیر سے نوازے۔

آپ نے بھی اپنے اداریے "ہماری فوج صف شکن سپاہ کردگار ہے" کے عنوان سے تحریر فرما کر بدعقیدہ و دہشت گردوں سے متعلق بہت سے چھپے ہوئے حقائق سے پردہ اُٹھایا ہے۔ یہ آپ کی بے باکی اور بلند حوصلے پر دال ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ﷺ کے صدقے میں آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کو صحت و ہمت سے نوازے۔ آمین۔

﴿علامہ مولانا محمد منشا تابش قصوری، مدرس، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور﴾

ناشرِ مسلکِ رضا حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاجِ گرامی!

تازہ معارفِ رضا سے پتا چلا کہ آپ علیل رہے ہیں اور اب بفضلہٖ وکرمہٖ تعالیٰ روبہ صحت اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف رکھتے ہیں۔

علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب مدظلہٗ نے فرمایا حضرت صاحبزادہ صاحب فی الحال معارفِ رضا کے دفتر تشریف نہیں لا رہے۔ آپ شب و روز جس محنتِ شاقہ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کرا رہے ہیں اور ان پر کام کرنے والوں کو ہر قسم کی امداد بہم پہنچا رہے ہیں، اس کا صلہ یقیناً دین و دنیا اور آخرت میں خوب سے خوب پائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

پروفیسر محمد مسعود احمد اظہری، علامہ شرف قادری اور حاجی محمد مقبول احمد ضیائی علیہم الرحمۃ کی حینِ حیات جس سطح پر کام جاری تھا، اب اس پر مہر لگ چکی ہے۔ لیکن آپ ایسی بلند مرتبت شخصیت کی اپنے مشن سے لگن اور عشق کو دیکھ کر پُراُمید ہیں کہ بہت سے گوشے آپ کے توسل سے وا ہوتے رہیں گے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ بجاہِ حبیبہ الاعلیٰ ﷺ آپ کو صحتِ کاملہ سے بہرہ مند فرمائے اور جلد از جلد اپنے منصوبے پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔

وفیات

ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی

۱۔ ڈائریکٹر نارتھ امیریکن اسلامک فاؤنڈیشن، امریکہ، سابق صوبائی صدر، جمعیت علمائے پاکستان، سندھ اور سابق مرکزی صدر، انجمن طلبۂ اسلام محترم جناب محمد عثمان خان نوری صاحب کی والدۂ ماجدہ اسی (۸۰) سال کی عمر میں تقریباً پندرہ سولہ دن کی علالت کے بعد پٹیل ہسپتال (Patel Hospital) گلشنِ اقبال، کراچی میں بروز جمعۃ المبارک ۲۴/ ذی قعد ۱۴۳۰ھ بہ مطابق ۱۳/ نومبر ۲۰۰۹ء کو صبح کے وقت ساڑھے چار بجے قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نمازِ جنازہ اسی روز جمعۃ المبارک کو بعد نمازِ عصر آپ کے آبائی گاؤں شاہ پور جاکر، سندھ میں حضرت مفتی عبدالرحیم سکندری صاحب (کنزالایمان کے سندھی مترجم) دامت برکاتھم العالیہ کی اقتدا میں ادا کی گئی اور وہیں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔

۲۔ علامہ الحاج الحافظ القاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید وخادمِ خاص جناب عبدالعزیز پٹنی صاحب مورخہ ۱۹/ ذی قعد ۱۴۳۰ھ بہ مطابق ۸/ نومبر ۲۰۰۹ء بروز اتوار صبح سات بجے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اتوار کی صبح آپ کی اپنے گھر (واقع، گارڈن، نزد لسبیلہ چوک، کراچی) پر اچانک طبیعت ناساز ہوئی تو آپ کو قریبی مقامی ہسپتال میں لے جایا گیا جہاں پہنچتے ہی آپ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ اسی دن بعد نمازِ ظہر دارالعلوم امجدیہ، کراچی میں آپ کی نمازِ جنازہ محترم علامہ سید شاہ تراب الحق قادری صاحب دامت برکاتھم العالیہ کی اقتدا میں ادا کی گئی اور بعد ازاں میوہ شاہ قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

۳۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹر نیشنل، کراچی کے کمپیوٹر آپریٹر مرزا فرقان احمد کے تایا ابا مرزا عبدالرشید صاحب مؤرخہ ۲۴/ ذی قعد ۱۴۳۰ھ بہ مطابق ۱۳/ نومبر ۲۰۰۹ء بروز جمعۃ المبارک شام چھ بجے تقریباً چھ ماہ کی علالت کے بعد قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نمازِ جنازہ اگلے روز بعد نمازِ ظہر ناظم آباد میں ادا کی گئی اور بعد ازاں پاپوش نگر کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

۴۔ حاجی محمد رفیق پردیسی برکاتی صاحب کی چچی اور ساس، حاجی ابوبکر پردیسی صاحب کی اہلیۂ محترمہ اور حاجی عبدالغفار پردیسی صاحب اور حاجی انیس پردیسی صاحب کی والدۂ ماجدہ حاجیانی حلیمہ بائی جمعۃ المبارک اور ہفتے کی درمیانی شب (دو بجے کے وقت) مؤرخہ ۳/ ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۱/ نومبر ۲۰۰۹ء کو قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نمازِ جنازہ بروز ہفتہ جامع مسجد اسماعیل گیگا، جمشید روڈ، کراچی میں بعد نمازِ ظہر علامہ سید شاہ تراب الحق قادری صاحب مدظلہ العالی کی اقتدا میں ادا کی گئی۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی کے صدر جناب صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری، جنرل سیکریٹری جناب پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، جوائنٹ سیکریٹری پروفیسر دلاور خاں، فنانس سیکریٹری جناب حاجی عبداللطیف قادری، منیجر محمد اشرف جہانگیر اور راقم الحروف سمیت ادارے کے دیگر اراکین وعملہ دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اُن کے درجات بلند کرے اور مرحومین کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

مسلمان اتنے کمزور کیوں ہیں؟

ڈاکٹر فرخ سلیم

اس وقت کرۂ ارض پر تقریباً 1476233470 مسلمان آباد ہیں۔ جن میں سے ایک ارب ایشیاء میں، 400 ملین افریقہ، 44 ملین یورپ میں اور 6 ملین امریکہ میں رہتے ہیں۔ دنیا میں ہر پانچواں انسان مسلمان ہے۔ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی تعداد کے ساتھ مسلمانوں کا تناسب کچھ اس طرح سے بنتا ہے کہ ہر ہندو کے مقابلے میں 2 مسلمان اور ہر یہودی کے مقابلے میں ایک سو مسلمان۔ تو پھر سوچئے کہ اس قدر کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود مسلمان اس قدر بے وقعت اور کمزور کیوں ہیں؟

وجہ صاف ظاہر ہے: اسلامی کانفرنس تنظیم یعنی او آئی سی کے رکن ممالک کی تعداد 57 ہے اور ان تمام مسلم ممالک میں یونیورسٹیوں کی کل تعداد 500 ہے یعنی 30 لاکھ مسلمانوں کے لئے صرف ایک یونیورسٹی اس کے برعکس امریکہ میں 5758 یونیورسٹیاں موجود ہیں اور ہندوستان میں یونیورسٹیوں کی تعداد 8407 ہے۔ 2004ء میں شنگھائی جیاؤ ٹونگ یونیورسٹی نے کارکردگی کے اعتبار سے دنیا بھر کی یونیورسٹیوں کی درجہ بندی کی اور حیران کن طور پر درجہ اول کی 500 یونیورسٹیوں میں مسلم ممالک کی کوئی ایک بھی یونیورسٹی جگہ نہ پا سکی۔

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے ترقی (یو این ڈی پی) کے جمع کردہ اعداد و شمار کے مطابق پوری عیسائی دنیا میں شرح خواندگی تقریباً 90 فیصد ہے اور 15 عیسائی ممالک ایسے بھی ہیں جہاں شرح خواندگی سو فیصد ہے۔ اس کے بلکل برعکس مسلم ممالک میں اوسط شرح خواندگی تقریباً 40 فیصد ہے اور کوئی ایک بھی مسلم ملک ایسا نہیں جہاں شرح خواندگی سو فیصد ہو۔ عیسائی دنیا میں تقریباً 98 فیصد پڑھے لکھے یا خواندہ افراد وہ ہیں جنہوں نے پرائمری تک تعلیم حاصل کی ہے جبکہ مسلم ممالک میں ایسے خواندہ افراد جو پرائمری پاس ہیں ان کی شرح 50 فیصد ہے عیسائی ممالک کے 40 فیصد خواندہ افراد نے یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم حاصل کی ہو۔

مسلم ممالک میں ہر دس لاکھ مسلمانوں میں سے 230 سائنسدان ہیں جبکہ امریکہ میں ہر دس لاکھ افراد میں چار ہزار سائنسدان موجود ہیں اور جاپان میں ہر دس لاکھ افراد میں سے پانچ ہزار سائنسدان ہیں۔ پوری عرب دنیا میں ہمہ وقتی محققین کی کل تعداد پینتیس ہزار ہے اور ہر دس لاکھ عربوں میں صرف پچاس تکنیک کار موجود ہیں۔ عیسائی ممالک میں یہ تناسب ہر دس لاکھ افراد میں ایک ہزار تکنیک کاروں کا ہے۔ مزید بر آں مسلم دنیا تحقیق اور تعلیم و ترقی پر اپنی مجموعی پیداوار کا صرف اعشاریہ دو فیصد خرچ کرتی ہے جبکہ عیسائی دنیا اپنی مجموعی پیداوار کا پانچ فیصد حصہ علم و تحقیق اور ترقی کی مد میں صرف کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم دنیا میں علم و آگہی اجاگر کرنے اور اس کی ترویج کی صلاحیت انتہائی کم ہو کر رہ گئی ہے۔

معاشرے میں علم و آگہی پھیلانے کی نشاندہی ان دو چیزوں سے بھی ہوتی ہے کہ ہر 2000/افراد کے لئے روزانہ کتنے اخبارات شائع ہوتے ہیں اور ہر دس لاکھ افراد کے لئے کتنی کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ پاکستان میں ہر 1000/افراد کے لئے 23 روزنامہ اخبارات شائع ہوتے ہیں جبکہ سنگاپور میں یہ تناسب ہر ہزار افراد کیلئے 360 اخبارات ہے۔

برطانیہ میں ہر ایک کے لئے 2000 کتابوں کی اشاعت ہوتی ہے جبکہ مصر میں دس لاکھ افراد کے صرف 20 کتب شائع کی جاتی ہیں۔

نتیجہ:۔ مسلم دنیا علم و آگہی پھیلانے میں ناکام ہو رہی ہے۔

علم کے استعمال کی نشاندہی کرنے والا ایک اہم عنصر یہ بھی تصور کیا جاتا ہے کہ کسی ملک کی مجموعی بر آمدات میں سے اعلیٰ تکنیکی مصنوعات کی بر آمدات کا شرح تناسب کیا ہے۔ پاکستان کی کل بر آمدات میں سے اعلیٰ تکنیکی مصنوعات کی بر آمدات کا تناسب صرف ایک فیصد ہے۔ یہی تناسب سعودی عرب میں صرف 0.3 فیصد، کویت، مراکش اور الجیریا میں بھی یہ تناسب 0.3 فیصد ہے جبکہ سنگاپور میں یہ تناسب اٹھاون فیصد ہے۔

نتیجہ: مسلم دنیا اپنے علم کو بروئے کار لانے میں ناکام ہو رہی ہے۔

مسلمان دنیا میں کمزور کیوں ہیں؟ کیونکہ ہم اپنے لوگوں کو علم و آگہی نہیں دے پا رہے۔ مسلمان کیوں کمزور ہیں؟ اس لئے کہ ہم علم کی ترویج و اشاعت نہیں کر پا رہے۔ مسلمان کیوں بے وقعت ہیں؟ اس لئے کہ ہم علم کو بروئے کار ہی نہیں لا رہے اور مستقبل تو انہیں معاشروں کا ہو گا جن کی بنیاد علم و آگہی پر رکھی گئی ہے۔

یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ او آئی سی کے رکن مسلم ممالک کی سالانہ مجموعی قومی پیداوار (GDP) دو کھرب ڈالرز سے بھی کم ہے جبکہ صرف امریکہ سالانہ بارہ کھرب ڈالرز کی اشیاء اور روزگار پیدا کرتا ہے، چین آٹھ کھرب ڈالرز سالانہ، جاپان 3.8 کھرب ڈالرز اور جرمنی 2.4 کھرب ڈالرز کی مجموعی پیداوار GDP کا حامل ہے۔

تیل کی دولت سے مالا مال سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت اور قطر اجتماعی طور پر پانچ سو ارب ڈالرز کی مصنوعات اور روزگار سالانہ پیدا کرتے ہیں جبکہ صرف سپین ایک کھرب ڈالرز کی مصنوعات و روزگار سالانہ پیدا کرتا ہے اسی طرح کیتھولک پولینڈ میں یہ شرح چار سو نواسی ارب ڈالرز اور بدھ تھائی لینڈ میں پانچ سو پینتالیس ارب ڈالرز ہے۔ (مسلمانوں کی مجموعی پیداواری آمدنی باقی دنیا کے مقابلے میں بہت تیزی سے کم ہو رہی ہے)۔

تو مسلمان کیوں اتنے کمزور ہیں؟ جواب ہے: "تعلیم کی کمی"۔

﴿بہ شکریہ روزنامہ "جنگ" کراچی، ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۹ء﴾

موجودہ حالات کی اصلاح میں

امام احمد رضا کے تعلیمی نظریات سے افادہ ناگزیر ہے۔

۱۔ عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

۲۔ طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

۳۔ مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں۔

۴۔ طبائعِ طلبہ کی جانچ ہو، جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے، معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔

۵۔ ان میں جو تیار ہوتے جائیں، تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً و تقریراً و وعظاً و مناظرۃً اشاعتِ دین و مذہب کریں۔

۶۔ حمایت (مذہب) و ردِّ بدمذہباں میں مفید کتب و رسائل، مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

۷۔ تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کیے جائیں۔

۸۔ شہروں شہروں آپ کے سفیر نگران رہیں، جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو، آپ کو اطلاع دیں۔ آپ سرکوبیِ اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔

۹۔ جو ہم میں قابلِ کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف مقرر کرکے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو، لگائے جائیں۔

۱۰۔ آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایتِ مذہب میں مضامین تمام ملک میں بہ قیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ: "آخر زمانے میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا۔"

اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدوق ﷺ کا کلام ہے۔

﴿فتاویٰ رضویہ (قدیم)، جلد: ۱۲، صفحہ: ۱۳۳﴾